پاکستان کی اقتصادی ترقی میں
قدم بہ قدم شریک
adamjee
آدمجی پیپر اینڈ بورڈ ملز لمیٹڈ

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۴۰/ روپے ۔ فی پرچہ چار روپے

بیرون ملک بحری ڈاک چھ پونڈ ۔ بیرون ملک ہوائی ڈاک دس پونڈ

الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

بالآخر صدر پاکستان نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا اعلان کر دیا اور پوری قوم انتخا
ہنگاموں میں مصروف ہوگئی ان سطور کے چھپنے تک نتائج سامنے آ چکے ہوں گے اور نئی اسمبلیاں تشکیل
چکی ہوں گی، انشاء اللہ۔ افسوس کہ پچھلے کئی سالوں میں اسلام کے نظامِ حکومت اور نظامِ انتخابات کے
بارہ میں صدر پاکستان کے واضح اعلانات نظریاتی کونسل اور انصاری کمیشن وغیرہ کی تمام سفارشات کو یکسر
بالائے طاق رکھ دیا گیا اور امیدوار کے لئے جن اسلامی شرائط، معیار اہلیت وغیرہ کی باتیں ہو رہی تھیں
وہ سب کچھ یکلخت لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ سامنے آنے والے ناموں میں بہتر سے
بہتر امیدواروں کو کامیاب فرما دے جو ملک کی نیا کو ساحل مراد ـــ نظامِ اسلام ـــ سے ہمکنار کرا سکے
اس مرحلہ پر بدقسمتی سے علماء کی تنظیموں نے جماعتی غیر جماعتی اور سیاسی غیر سیاسی چکر میں الجھ کر اور
سے بڑھ کر باہمی خلفشار، فکری انتشار اور قوتِ فیصلہ کے فقدان کی وجہ سے میدان کو یکسر خالی چھوڑ
دیا اور منفی رجحان کے علمبردار لادینی جماعتوں کے دام تزویر میں بری طرح پھنس کر اقتدار کے ایوانوں
دین کے لئے موثر اور بھرپور جنگ لڑنے کا موقعہ گنوا دیا ورنہ اسلام کے نام پر صدر پاکستان کا ریفرنڈم
کرانا اور نفاذِ اسلام کے لئے شبانہ روز شورائی کے ماحول اور پس منظر میں یہ ایک سنہری موقع
تھا کہ علماء ایک بڑی تعداد میں اسمبلیوں میں پہنچ کر اپنی بھرپور قوت کا مظاہرہ اور سیاسی اہمیت
کی دھاک بٹھا دیتے۔ ان تفصیلات کو اگلی فرصت پر چھوڑتے ہوئے سردست اتنا کہنا ضروری ہے
کہ عند اللہ مسئولیت کے احساس دین کی سربلندی اور بالادستی کے جذبہ سے اور یہ کہ اگر جماعتی جد و جہد
ممکن نہ ہو تو انفراداً ہر شخص اپنے طور پر عند اللہ مکلف ہے۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے باایں ہمہ ضعف و علالت قومی اسمبلی کے لئے
کھڑا ہونا قبول کیا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے حلقۂ انتخاب کی پچھلے پندرہ سال سے ان کی ذات
سے جو وابستگی ہے اور دینِ متین کے لئے جو بے مثال ایثار کے مظاہرے تحصیل نوشہرہ نے کئے ایسے
کو یکسر اغیار کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا دین کے حق میں مفید نہیں تھا جبکہ حلقہ کے مسلمانوں کے جذبات
بے حد مجروح ہوتے ـــ پھر ناچیز راقم الحروف کی بجائے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے حصہ لینے
صورت میں الیکشن کا عظیم الشان طوفانی مہم اور ذمہ داریوں سے نمٹنا اور اتنے قلیل وقت میں اس

ہ کرنا خود اپنے لئے بھی اھون اور سہل سمجھتا رہا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ قومی اسمبلی میں اس صورت
ہمہ جہد علماء واکابر کی تعداد آنے کی توقع بہت کم ہے۔ دینی نقطۂ نظر سے یہی ضروری سمجھا گیا کہ حضرت
س کی شکل میں ایک نہایت مؤثر زور دار آواز مسلمانوں کے معتمد علماء کی محبوب شخصیت کی صورت
اسمبلی میں پہنچ جائے تاکہ حکومت کے اب تک کئے گئے اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدوں کی
ال کرانے کی جدوجہد زیادہ بھرپور اور مؤثر ثابت ہو سکے اور کیا عجب کہ حق تعالیٰ اس فیصلہ کن موڑ پر قومی
مبلی میں علماء حق کے اس بوڑھے جرنیل اور قافلۂ اہل حق کے اس عظیم سالار سے نظام اسلام کے نفاذ اور
ل میں کوئی نہایت اہم اور بھرپور کام لے لے وما ذلك على الله بعزيز جس کام کا آغاز اکابر رفقاء
ساتھ قومی اسمبلی میں آپ نے ۱۹۷۰ء کے بعد شروع فرمایا تھا۔ کیا عجب اب اسکی تکمیل میں بھی مولانا
ہدانہ کردار بانے والے اکابر مولانا مفتی محمود، مولانا ہزاروی اور دیگر مرحومین کی ارواح طیبہ کی خوشنودی
آسودگی کا ذریعہ بن جائے۔ من المومنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من
ى نحبه ومنهم من ينتظر۔

پچھلے چند ہفتوں میں کئی علمی و دینی شخصیتوں نے ملت کو داغ مفارقت دی۔ تحفظ ختم نبوت
ایک نادر اور انتھک "سپاہی" جو درحقیقت اپنے کاروان کے جرنیل تھے مگر اخلاص وللہیت
پنے مشن میں انہماک اور محویت کی وجہ سے اپنے آپ کو سپاہی کے طور پر رکھتے ۔ حضرت مولانا
یف جالندھری ۔ انتقال فرما گئے، وہ تحریک ختم نبوت کے صف اول کے مجاہد تھے، ان کی
ناموس ختم نبوت کیلئے تگ و دو، سوز و ساز اور فکر و عمل میں فنا ہو چکی تھی یہی ان کا اوڑھنا بچھونا
تحریک ختم نبوت کی بنیادوں میں ان کی زندگی تحلیل ہو چکی تھی جس پر شوکت و سطوت کی بلڈنگیں تعمیر ہو گئیں
بین نظریں عمارت کی رعنائی پر تو جاتی ہیں اور مضبوط و مستحکم بنیادوں پر کم ہی نگاہ پڑتی ہے۔ مگر انہوں نے
ں ایسا کرنا چاہا کہ اجر و صلہ کی ساری متاع تاجدار ختم نبوت سے شفاعت عظمیٰ کی شکل میں اس جہاں
سکیں جہاں کی ہر چیز لافانی ہو گئی، ختم نبوت کی اشاعت قادیانی دجل و تلبیس کا تعاقب اور مجلس ختم نبوت
لیے وسائل کی فراہمی، قادیانی شر انگیزیوں کا تدارک، مقدمات ختم نبوت کی پیروی، آئینی و قانونی تحفظات
لئے تگ و دو اس راہ میں علماء کی منت و سماجت، مشائخ و زعماء کی قدم بوسی حکام کی خوشامد،
ستدانوں کی منت پذیری ان تمام باتوں کو عار نہیں بلکہ شمع رسالت کا یہ پروانہ یہ سب کچھ اپنے

لئے فخر و سعادت سمجھتا رہا ان کی جدائی سے بلاشبہ مجلس تحفظ کے کاموں کو ایک عظیم دھچکا لگ گیا ہے۔ خداوند قدوس ختم نبوت کے اس جان نثار کی قربانیاں قبول فرما کر انہیں شافع محشر حضور خاتم النبیین کی خوشنودی سے مالا مال فرمادے اور پیدا ہونے والا خلاء بہتر سے بہتر صورت میں پر ہو۔

حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مرحوم بھی ملتان میں واصل بحق ہوئے وہ دارالعلوم دیوبند کے جید فاضل، عالم باعمل اور زندگی بھر مسند تدریس و افتاء کی زینت رہے ملتان کے ممتاز مدارس خیر المدارس اور قاسم العلوم میں حدیث کی اہم کتابیں پڑھاتے رہے، ملک کے چند اہم مفتیوں میں ان کا شمار ہوتا رہا۔ قیام پاکستان کے اوائل میں علمی و ادبی حلقوں کی پیاس بجھانے کے لئے آپ نے اردو اور عربی میں ایک علمی مجلہ "الصدیق" کے نام سے جاری کروایا اور عربی حصہ کی وجہ سے اس کا ایک منفرد مقام تھا دینی و علمی ذخائر کی عمدہ اشاعت کے لئے آپ نے ملتان میں کتب خانہ صدیقیہ قائم فرمایا، آخری چند سالوں میں آپ کا قیام کراچی رہا اور اب اہل و عیال کے ساتھ حرمین الشریفین ہجرت کرنے کے سارے انتظامات مکمل فرما چکے تھے۔ وہاں مستقل قیام یا ہجرت ہی کے سلسلہ میں اہل و عیال کو لینے آئے تھے کہ داعی اجل نے بلایا اور آپ نے لبیک کہہ کر علمی و دینی حلقوں کو داغ مفارقت دیا کئی اہم مواقع ایسے آئے کہ آپ نے فتوٰی و تحقیق کو وقتی سیاسی لہروں سے متاثر نہ ہونے دیا اور جادۂ حق پر ڈٹے رہے۔ حق تعالیٰ ان کو درجات عالیہ سے نوازے اور مختلف شکلوں میں ان کے علمی و دینی فیوضات ان کے لئے صدقات جاریہ بنی رہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

گرمی اور سردی کا جہنم کے دو سانسوں سے تعلق

ایک حدیث کی حکیمانہ تشریح

۱۹ راکتوبر ۱۹۸۴ء حقائق السنن جلد ثانی کا مسودہ لے کر حاضر خدمت ہوا، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بیٹھک میں تشریف لے جا چکے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کچھ مسودہ ساتھ لائے ہو عرض کیا، جتنا کچھ بن پڑا لکھ لیا ہے۔ فرمایا ہاتو بس اسی کام کو ترجیح دینی چاہئے۔ دیگر مصروفیات اور مشاغل ترک فرما کر ہمہ تن شرح ترمذی کے کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ احقر مسودہ سناتا رہا، حضرت مدظلہ پوری توجہ سے سنتے رہے۔ آج کی بحث کے بعض اہم گوشے تشنہ رہ گئے تھے۔ اس لئے جگہ جگہ مزید بحث بھی فرمائی۔ اور حسب ضرورت مسودات کی اصلاح بھی فرماتے رہے۔ آج کی یہ مبارک مجلس گویا ایک درس حدیث ہے جس کے سہل، آسان، اصلاحی اور تبلیغی حصے نذر قارئین ہیں۔

(ع ق ح)

حرارت و برودت کے اسباب فیح جہنم اور آفتاب

حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم

جب گرمی شدید ہو تو ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھڑاس ہے۔

اس حدیث میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں گرمی اور اس کی شدت کا اصل سبب فیح جہنم ہے۔ مگر بعض ظاہر پرست، سائنسدان اور ظاہر بین اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمین کی گرمی و سردی کا اصل سبب آفتاب ہے۔ سورج کے سمت الراس کے قریب ہونے سے حرارت اور بعد سے برودت پیدا ہوتی ہے لہذا حرارت اور گرمی کی شدت کو فیح جہنم کا نتیجہ قرار دینا بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے۔ لیکن قدرے غور و فکر اور بغیر تعصب کے اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو حضور کا ارشاد بجا ہے۔ اور اپنی حقیقت پر محمول ہے نہ تاویل کی ضرورت ہے اور نہ انکار کی گنجائش۔

اسباب باطنی بھی ہوتے ہیں اور ظاہری بھی

دراصل یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ کائنات میں واقع پذیر ہونے والے امور کا تعلق اسباب سے ہے۔ اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی۔

حرارت کا ظاہری سبب نار ہے یا شمس ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سورج میں یہ حرارت کہاں سے آئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ فان شدة الحر من فیح جہنم، کہ آفتاب کی حرارت فیح جہنم کی وجہ سے ہے جو حرارت کا باطنی سبب ہے۔ سائنسدانوں اور ظاہر بینوں کی نظر ظاہر تک محدود رہی۔ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ہدایت اور رہنمائی میں اس کے اصل اور باطنی سبب کی نشاندہی بھی کر دی۔

لہذا سائنسدانوں کے قول اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں کوئی تعارض نہیں۔ سائنسدانوں کی نظر ظاہر تک محدود رہی اس لئے حرارت کی نسبت سورج کی طرف کر دی۔ جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حقیقت اور اصل سبب پر تھی۔ اس لئے حرارت کا سبب فیح جہنم کو قرار دیا۔

جہنم کے دو سانس

ارشاد فرمایا۔ جہنم نے خدا کے حضور شدتِ حرارت کی شکایت کی اور عرض کیا کہ اَکَلَ بَعضِی بَعضاً کہ میرا بعض حصہ دوسرے حصہ کو کھائے جا رہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے جہنم کو اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے دو سانسوں نفسین (دو سانس) کی اجازت مرحمت فرمائی فاذن لہا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف۔

جہنم کے تنفس (سانس لینے) کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سال میں دو سانس نکالتی ہے ایک جانب جنوب اور دوسرا جانب شمال کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نفسین سے مراد دو سانس ہیں کہ ایک لیتی ہے اور دوسرا نکالتی ہے۔

نظام کائنات میں حکمت اور مصلحت

قدرت کی حکمت کائناتی نظام کے ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے۔ فیح جہنم، گو بظاہر گرمی اور شدت اور حرارت کا نام ہے۔ مگر بباطن انسانی مفاد اور دنیا کی بقا کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔

جب آپ فیح جہنم اور شمسی نظام کے قیام پر غور کریں گے تو یہ اشکال بھی خود بخود رفع ہو جائے گا۔ کہ فیح جہنم کی وجہ سے سال بھر کا موسم یکساں کیوں نہیں رہتا۔

جہنم کی حرارت اور اس کی شدت کا یہ عالم ہے کہ اگر جہنم کا ایک ذرہ بھی اس کائنات میں ڈال دیا جائے تو سارا کائناتی نظام جل بھسم کر راکھ ہو جائے۔ اور جنت کی چیز اگر ناخن برابر بھی دنیا پہ ظاہر ہو جائے تو ساری کائنات شاداب اور منور ہو جائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ یقینی بات ہے کہ اس کے تنفس سے یہ عالم

جل بھسم کر راکھ ہو جاتا ۔ اللہ پاک نے اس کے تدارک کے لیے آفتاب بنا دیا اور فیح جہنم کو اس کے ذریعے سے دنیا کو منتقل کرنا منظور ہوا۔

اگر حرارت براہِ راست جہنم سے دنیا کو منتقل ہوتی تو ساری کائنات جل کر راکھ ہو جاتی ۔
اس کی مثال آپ تربیلہ بند کو لے لیں ۔ اگر وہاں سے براہِ راست یہاں بجلی منتقل کر دی جاتی تو سارے مکانات جل جاتے ۔ مگر وہاں سے یہاں تک کئی واسطوں سے بجلی پہنچتی ہے پھر شہر کے باہر ٹرانسفارمر لگایا گیا ہے جس سے ایک خاص مقدار میں بجلی شہر کو منتقل ہوتی ہے۔

فیح جہنم کا کرۂ شمس میں منتقل ہونا | کرۂ شمس جو زمین سے کئی سو چند گنا بڑا ہے ۔ فیح جہنم کے ایام میں وہ جہنم کے محاذات پر آجاتا ہے ۔ اور جہنم کی فیح (بھڑاس و حرارت) کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے جس سے کرۂ شمس میں بھی گرمی آجاتی ہے ۔ ادہر چونکہ زمین بالطبع بارد و یابس تھی اور کمال برودت و یبوست کی وجہ سے اس قابل نہ تھی کہ اس پر انسان یا حیوان زندہ رہ سکیں ۔ یا وہ کسی فصل وغیرہ کے کاشت کے قابل ہو ۔ اب اللہ نے سورج کی جو حرارت کا کرہ ہے کرۂ ارض پر آہستہ آہستہ تدریجی طور پر گرمی اور حرارت پہنچانے کی ڈیوٹی لگا دی۔

سورج میں فیح جہنم کی حرارت محصور اور محفوظ ہو جاتی ہے[1] پھر تمام سال سورج حسبِ ضرورت و حکمت زمین کو پہنچاتا رہتا ہے ۔ اس حکیمانہ نظام کے تحت سورج کا اپنے مدار میں سال بھر کا چکر برودت اور حرارت کا باعث ہوتا ہے ۔ اگر چوبیس گھنٹے روشنی اور حرارت ہی باقی رہتی تو زندگی مشکل تھی ۔ اور کائنات کی بقا اور استحکام خطرہ میں تھا ۔ اس لئے بارہ یا چودہ گھنٹے سورج کی حرارت اور پھر اس کے غروب سے برودت کا نظام قائم کیا گیا ۔

نار اور نور کی تقسیم ضرورت | چونکہ فیح جہنم میں ناریت بھی تھی اور نورانیت بھی ۔ کائنات کو دونوں چیزوں کی ضرورت تھی ۔ نورانیت کی ضرورت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے سورج کے محاذات میں چاند بنا دیا ہے۔

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ فیح جہنم کے سورج کو منتقل ہونے کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کہ پرانے زمانے میں بغیر بجلی کے چلنے والی آٹا مشینوں کے دھواں خارج کرنے والے پائپ ہوتے ہیں ۔ جن کے سر پر پائپ کے منہ سے قدرے بڑے سائز کی ٹوپی لگی ہوئی ہوتی ہے ۔ جب مشین چلتی ہے تو دھواں پائپ کے منہ سے نکل کر ٹوپی میں جاتا ہے ۔ انتقال کے اس عمل سے "ٹک ٹک" کی آواز پیدا ہوتی ہے ۔ سورج بھی جہنم کے منہ کے محاذات میں اس پائپ کی ٹوپی کی طرح جب برابر ہوتا ہے تو یہ بعینہ (فیح جہنم) کے سانس نکالنے کا وقت ہوتا ہے ۔ جس کو سورج حاصل کر کے اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے　　　(ع ق)

نورالقمر مستفاد من نور الشمس۔ چاند کی روشنی، سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے گویا فیح جہنم کی نورانیت بواسطہ شمس کے قمر نے محفوظ کر لی اور اب حکمت وتدریج سے کائنات میں اسے تقسیم کرنے کی ڈیوٹی پر لگا ہوا ہے۔

عدم علم، عدم وجود کی دلیل نہیں

کسی چیز کا ہمارے تجربہ ومشاہدہ میں نہ آنا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ واقعۃً بھی وہ چیز موجود نہیں۔ ریڈیو میں باتیں ہوتی ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ وہ ہوائی لہروں کے ذریعہ سے ریڈیو میں آتی ہیں مگر ہمیں یہ مشاہدہ نہیں کہ وہ کس جانب سے اور کیسے آرہی ہیں۔ مشکوٰۃ کی روایت میں جو نیل وفرات اور جیحوں وسیحوں کو "من انہار الجنۃ" قرار دیا گیا ہے۔

اس روایت پر بھی یہی اشکال کیا جاتا ہے کہ عام طور پر تجربہ ومشاہدہ میں دریائے سیحوں وغیرہ کے پانیوں کا سرچشمہ پہاڑوں کے تالاب اور وہاں پانی کے ذخائر ہیں۔ انہیں "من انہار الجنۃ" قرار دینا بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ دریائے سیحوں گلگت کے کوہستانوں سے آتا ہے جہاں پانی کے تالاب اور ذخائر موجود ہیں۔ اتنا کچھ تو ہمارے مشاہدہ میں ہے۔ مگر اب یہ دوسری چیز مشاہدہ میں نہیں ہے۔ کہ گلگت کے کوہستانی پہاڑوں میں پانی کہاں سے آتا ہے اب پانی کا تحقق ہے۔ مگر اس کے طریق آمد کا ہمیں علم نہیں ہے۔ عدم علم سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے اور الصادق الامین نبی ہیں۔ آپ نے جو فرمایا سچ فرمایا" لاریب" دنیا کی گرمی فیح جہنم کا اثر ہے۔ اور سیحون وجیحون کا پانی انہار جنت سے ہے۔ رہا یہ سوال، یہ فیح جہنم کا اثر دنیا میں کیسے آتا ہے یا انہار جنت سے پانی دنیا کو کیسے منتقل ہوتا ہے۔ تو اس کا ہمارے مشاہدہ میں نہ آنا عدم واقعہ کی دلیل نہیں ہے۔

ایک اشکال کا جواب

بعض ظاہر بین یہ اشکال وارد کرتے ہیں کہ جب جیحون وسیحون انہار جنت سے ہیں اور ان کا پانی بھی جنت سے آتا ہے۔ پھر تو چاہیئے کہ ان میں جنت کے پانی کے اوصاف بھی پائے جائیں جنت کے پانی میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کے پینے سے پیاس نہیں لگتی۔ بھوک ختم ہو جاتی ہے اور اس میں انسان غرق نہیں ہوتا بلکہ وہ پانی حیات کا باعث ہے۔

علماء نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ معدن کے بدلنے سے اشیاء کا حکم بھی بدل جاتا ہے اور ظرف کے بدلنے سے مظروف کا حکم بدل جاتا ہے۔ اہل منطق کا مشہور اصول ہے کہ حصول اشیاء بانفسہا ہوتا ہے۔ ایک دوسرا قول بھی منقول ہوا ہے کہ حصول اشیاء باشباہہا ہوتا ہے۔ مگر یہ قول ضعیف اور مرجوح ہے پہلا قول مشہور اور راجح ہے۔ جب خارجی اشیاء کا ہم نے تصور کیا مثلاً نار کا تصور کیا۔ جبل (پہاڑ) اور

بحر (دریا) کا تصور کیا تو منطقی اصول "حصول اشیاء بانفسہا" کے پیش نظر چاہئے۔ کہ حرق (جلانا) وخرق (پھٹنا اور توڑ دینا) اور غرق (ڈبو دینا) کا تحقق بھی ہو جائے۔

کیونکہ نار کی خاصیت حرق ہے جبل کی خاصیت خرق ہے۔ اور بحر کی خاصیت اغراق ہے۔ جب تصور کیا تو کسی ایک وصف کا تحقق بھی نہ ہوا۔ حالاں کہ حصولِ اشیاء بانفسہا اس کا متقاضی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ایک ظرف خارج ہے اور ایک ظرف ذہن اسی طرح ایک وجود خارجی ہے۔ اور ایک وجود ذہنی۔ دونوں ظرفوں کے احکام اور خواص علیحدہ علیحدہ ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ نار، جبل اور بحر ظرف ذہن میں تصوراً آجاتے ہیں۔ اور تینوں کا وجود ذہنی محقق ہو جاتا ہے مگر یاد رہے اس سے ظرف خارج اور وجود خارجی، ظرف ذہن میں منتقل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ظرف خارج اور وجود خارجی کے اثرات حرق، خرق اور غرق بھی ظرف ذہنی پر مرتب نہ ہوں گے۔

اسی طرح نیل وفرات اور سیحون وجیحون جو انہار جنت سے ہیں جب ان کا ظرف جنت ہے تو ان کی خاصیت وہاں بھی وہی ہے جو احادیث میں مذکور ہوئی ہے کہ اس کے پینے سے نہ پیاس لگتی ہے نہ بھوک کا احساس ہوتا ہے اور نہ اس میں انسان غرق ہوتا ہے بلکہ وہ تو حیات اور بقا کا باعث ہے۔ مگر جب ظرف بدل گیا اور پانی دنیا کو منتقل ہوا، حصول اشیا بانفسہا تو ہو گیا ماہیت اور مظروف منتقل ہو گیا ہے۔ ظرف اپنی جگہ باقی رہا۔ اس لئے اس کے خاصیات منتقل نہ ہوئے۔ بلکہ اب جب دنیا ظرف بن گئی ہے تو لا محالہ مظروف پر بھی دنیا کے اثرات مرتب ہوں گے۔

چاند اور سورج کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا

جب وقوع قیامت کے بعد جہنم کو انسانیت کے کافرانہ طبقہ کا ایندھن مل جائے گا تو اس کی حرارت میں بھی اعتدال آجائے گا۔ اور مزید تنفس (سانس نکالنے) کی حاجت باقی نہیں رہے جب وہ سانس نہیں نکالے گی تو اس کی فیح کو محفوظ کرنے کے لئے جو کرۂ شمس پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہے گی لہذا یہ چاند سورج بے نور ہو جائیں گے۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔

بعض لوگوں نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ آفتاب وماہتاب ابتدائے آفرینش سے تا قیام قیامت، اطاعت اور فرماں برداری کر رہے ہیں۔ لا یعصون اللہ ما امرہم، انہیں جہنم میں ڈال دینا گویا انہیں سزا دینا ہے۔ کمال اطاعت کا یہ صلہ، بظاہر عدل وانصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ مگر قدرے تامل سے یہ اشکال بھی خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے اصل کو راجع ہوتی ہے۔ کل شئ یرجع الی اصلہ۔ سورج فیح جہنم کا صندوقچہ ہے۔ گویا اسی سے ہے اور اس کا بچہ ہے اور نور قمر، شمس سے مستفاد ہے ان کو جہنم میں ڈال دینا گویا اپنی ماں کی گود میں پہنچا دینا ہے جب دونوں کی اصل جہنم ہے تو انہیں اپنے اصل کو واپس کر دینا، گویا عین حق شناسی اور احسان مندی ہے اور یہی انصاف کا تقاضا ہے۔

شارٹ ٹنڈر نوٹس

فرنٹیر کور این۔ ڈبلیو۔ ایف۔ پی کے ان منظور شدہ ٹھیکیداروں سے جنہوں نے مالی سال ۸۵-۱۹۸۴ء
کے لیے تجدید کرالی ہو۔ مندرجہ ذیل کاموں کے لیے پاک پی ڈبلیو ڈی شیڈول ۱۹۸۲ء پر
پرسینج ریٹ پر سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔ منظور شدہ ٹنڈر فارم دفتری اوقات میں مقرر
قیمت پر دفتر ہذا سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

ٹنڈر بذریعہ رجسٹری پوسٹ آفس ارسال کئے جائیں۔ کوئی دستی یا بغیر رجسٹری شدہ ٹنڈر
قابل قبول نہیں ہوگا۔

ٹنڈر ۲ فروری ۱۹۸۵ء تک دفتر ہذا میں موصول ہونے چاہئیں۔ جو مورخہ ۳ فروری ۸۵
کو بوقت دس بجے دن ٹھیکیداروں یا ان کے نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے
ٹنڈر لفافے پر کام کا نام لال سیاہی سے صاف صاف لکھنے چاہئیں۔ پنسل سے بھرے
ہوئے فارم، فارم کے اور کسی قسم کا ردوبدل یا ٹوٹل وغیرہ میں فرق ہونے کی صورت میں ٹنڈر
مسترد کر دیا جائے گا۔ زیر دستخطی کو بغیر کوئی وجہ بتائے کسی بھی ٹنڈر کو مسترد کرنے کا اختیار
حاصل ہوگا۔

زر ضمانت کا ٹنڈر کے ساتھ بذریعہ بنک کال ڈیپازٹ انسپکٹر جنرل فرنٹیر کور این ڈبلیو ایف
پی منسلک ہونا ضروری ہے۔

نمبر شمار	کام کی تفصیل	سٹیشن	تخمینہ لاگت	زر ضمانت
(۱)	واٹر پروفنگ ایک عدد واٹر ٹینک (8500 گیلن) مہندرا المفر	حامد گٹ	Rs. 25000/-	کل رقم کا پانچ فی صد

میجر انجینئر
جی ایس او ٹو ورکس
فرنٹیر کور این ڈبلیو ایف پی
(محمد الیاس ملک)

97/79

مولانا مدرار اللہ مدرار ۔ مردان

قسط ۱

پرویز
منکرِ حدیث ہے ــــ یا ــــ منکرِ قرآن ــــ ؟

ایک تنقیدی جائزہ

مؤقر الحق کی کسی گذشتہ اشاعت میں جناب امیر افضل خان کا ایک مضمون شائع کیا گیا تھا جس کے
طور میں اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا کہ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ سر سید اور مسٹر پرویز کے غیر اسلامی
پر ایک تحقیقی مضمون لکھا جائے ۔ میرا یہ مضمون اسکی صدائے بازگشت ہے ۔ میں نے اس مضمون کو پرویز
محدود رکھا ہے ۔ جس کے لیئے میں نے پرویز کی تقریباً تمام کتابوں خصوصاً "مفہوم القرآن" کا استیعابی مطالعہ
لیے تو پرویز منکرِ حدیث ہونے کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے ، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ پرویز سب سے
قرآن ہے ، اور مجھے اسکی اس حیثیت کو اجاگر کرنا ہے ۔ اس کی ساری کتابیں غیر اسلامی اور غیر قرآنی عقائد
سے بھری پڑی ہیں ۔ لیکن اس نے اپنی تصنیف کردہ "مفہوم القرآن" میں اوّل سے لیکر آخر تک قرآن مقدس
با تمام آیات کے مدلولات اور حقائق ثابتہ میں کھلم کھلا شدید معنوی تحریفات کی ہیں ، اور ان کے مفاہیم
نی کو یکسر بدل دیا ہے اور قرآنی آیات کو اپنے ملحدانہ عقائد کا جامہ پہنانے کی ناکام کوشش کی ہے ۔ میرا
ہے کہ گذشتہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں پرویز جیسا محرف قرآن نہیں گذرا ہے ۔ اور یہ حقیقت
مام کتابوں بالخصوص "مفہوم القرآن" سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور ثابت ہے ۔ اس کی کتابیں
یں کہ اس کے عقائد و نظریات پر دہریوں ، حکمائے یونان اور جدید فلسفہ کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے اور
طبیعی اور مادہ پرست ہے اور جن آیات کی زد طبیعات اور مادہ پر پڑتی ہے ۔ ان سے اس کو
انکار ہے ۔ اس کے عقائد مختصراً یہ ہیں ؛

آدم علیہ السلام کے وجود اور خلافت و نبوت سے انکار ۔ تمام علوی و سفلی ملائکہ بشمول حضرت جبریل
د سے انکار ۔ عیسٰی علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے انکار ۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت مریم نے
د سے شادی کی تھی اور معاذ اللہ دونوں کے مشترک نطفے سے حضرت عیسٰی علیہ السلام پیدا ہوئے
ت و حیات عزیر علیہ السلام سے انکار ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار نمرود کے گلزار ہونے سے
انکار حشر و نشر ۔ صور اسرافیل سے انکار ۔ جنت و دوزخ روحانی کیفیات ہیں ۔ سات آسمانوں کے

وجود سے انکار۔ جنات کے وجود سے انکار۔ وہ کہتا ہے کہ اطاعت خدا و رسول سے مراد مرکز ملت حکومت ہے۔ صفات الٰہی کے ازلی و ابدی ہونے سے انکار۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کی قدرت معطل اور قوانین فطرت کی پابند ہے۔ العیاذ باللہ۔ ختم نبوت سے انکار۔ اس کے نزدیک کمیونسٹ نظام قرآن سے ثابت ہے۔ العیاذ باللہ۔ ابلیس کے وجود سے انکار۔ عیسیٰ علیہ السلام کے احیائے موتی اور دیگر معجزات سے انکار حیات و رفع عیسیٰ علیہ السلام سے انکار۔ کلمۂ توحید و رسالت میں تحریف اس کے نزدیک انسانی تخلیق کی ابتداء مٹی سے نہیں بلکہ جرثومہ حیات سے ہوئی تھی۔ آیت مباہلہ سے انکار۔ مقام اعراف سے انکار عصائے موسیٰؑ کے سانپ بن جانے سے انکار۔ ید بیضا کی نشانی سے انکار۔ صلوٰۃ جنازہ سے انکار۔ قمیص یوسفؑ کی تاثیر سے انکار۔ ضرب کلیم کی تاثیر سے انکار۔ آیت اسریٰ کے معنوں میں تحریف۔ وہ کہتا ہے کہ شب اسرا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ نہیں مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ اصحاب کہف سے متعلق آیتوں میں معنوی تحریفات۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کے پھٹنے سے انکار۔ قصۂ سلیمانؑ میں " " کی حقیقت سے انکار۔ سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر ہونے سے انکار۔ آیت شق القمر سے انکار۔ جنت میں حوروں کی حقیقت سے انکار۔ قیامت کے دن آسمان، ستاروں، پہاڑوں اور زمین کے تغیر و تبدل سے انکار۔ سورۂ فیل کی حقیقت ماننے سے انکار۔ اللہ تعالیٰ کو خالق شر نہیں ماننا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے پناہ مانگنے کی مخالفت۔ غرض اسکی کتابیں بیشمار تحریفات قرآنی، اباطیل و اکاذیب اور اختراعات دماغی سے لبریز ہیں۔ درحقیقت پرویز اسلام اور قرآن کے مقابلے میں ایک نئے دین و مذہب کا بانی ہے۔ اور اس نے "مفہوم القرآن" کے نام سے ایک جدید اور متوازی قرآن پیش کیا ہے۔ جس میں اس نے قرآنی تعلیمات و اقدار کو بالکل مسخ کر دیا ہے۔

ہم ذیل میں اسکی تصانیف خاص طور پر "مفہوم القرآن" سے قابل اعتراض اور خلاف قرآن عبارتیں اپنی تنقید کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی | لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ قانون صرف ایک خدا کا ہے کسی اور کا نہیں محمد الرسول اللہ۔ اور تو اور انسانوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہستی محمدؐ کی پوزیشن اتنی ہی ہے کہ وہ اس قانون کا انسانوں تک پہنچانے والا ہے۔ اسے بھی کوئی حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے۔ (سلیم کے نام ج ۲ ص ۳۴)

اس عبارت میں پرویز نے کلمۂ توحید و رسالت کا مفہوم ہی بدل دیا ہے۔ کلمۂ توحید کے الفاظ اس مفہوم کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس نے "اِلٰہ" کے معنی قانون کے کئے ہیں۔ عرب کی کسی لغت اور محاورے میں "اِلٰہ" بمعنی قانون نہیں استعمال ہوا ہے۔ بلکہ یہ لفظ معبود کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ مفردات

راغب میں ہے :

" والٰہٗ جعلوہ اسماً لکلّ معبودٍ لّھمْ ۔" یعنی اہل عرب نے اپنے ہر معبود کے لئے
ہ نام رکھا تھا۔ معبود اسم مفعول ہے۔ جس کے معنی ہیں جسے پوجا جائے، اسکی جمع آلِھَۃٌ ہے قرآن
ہے۔ لَوْ کَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیاء ۲۲) اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا
ں اور معبود ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ کلمۂ توحید نفی و اثبات پر مشتمل ہے۔ حرف لَا سے تمام
دان باطل کی نفی ہے۔ اور اِلَّا اللّٰہ سے ایک خدائے برحق اور معبود واحد کا اثبات ہے۔ لغت عرب
موافق کلمۂ توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی عبادت و بندگی کے لائق
ے سوا کوئی نہیں ہے۔ پرویز نے لغات القرآن کے نام سے دجل و تلبیہات پر مشتمل ایک کتاب
لھی ہے جس میں اپنے مذاق کے مطابق قرآنی لغات کے معانی متعین کئے ہیں۔ تو پرویزی لغت کی
سے "اِلٰہ" کے معنی قانون کے ہیں۔ لیکن اہل عرب کے نزدیک "اِلٰہ" کے معنی معبود ہی کے ہیں۔
۔ توحید کے پرویزی مفہوم سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کا قائل نہیں۔ قرآن میں جہاں تسبیح
و اذکار، استغفار دعا اور انابت الی اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔ وہاں اس نے ان کے حقیقی معانی بدل
ہے ہیں جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

کلمۂ توحید کے دوسرے جزء "محمد الرّسول اللّٰہ" کا جو مفہوم اس نے بیان کیا ہے۔ اس سے
ن بالرسول کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ ایمان بالرسول کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو چٹھی رساں کی حیثیت دی جائے
اس کا حکم نہ مانا جائے۔ جیسا کہ پرویز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی پر اپنا حکم چلائے
"منکر رسالت" کو معلوم ہونا چاہیئے کہ از روئے قرآن رسول اور پیغمبر کا مقام ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے
اتباع اور اپنے حکم کی اطاعت کرائے۔ چنانچہ ہم اختصار کی خاطر صرف حضرت ہارون علیہ السلام کا
، پیش کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے
یا : فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْا اَمْرِیْ (طٰہٰ ۹۰) میری اتّباع کرو اور میرا حکم مانو۔

قرآن نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے "امر و نہی" کے متعلق خود کہا ہے کہ : یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ
بِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
ھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ ط (احزاب : ۶۴) یعنی وہ اس اُمّی فرستادۂ الٰہی اور پیغامبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو
وراۃ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ وہ ان کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔"

اس آیت کریمہ نے پرویز کے مزعومات باطلہ کے علی الرّغم حضور رسول کریمؐ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ

لوگوں سے اپنا اتباع کرائے اور اپنے حکم اور نہی کی تعمیل بھی۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور ٦٣) ترجمہ: سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس (رسول) کے حکم کا اس سے کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دردناک عذاب۔

اس آیت پر علامہ عثمانیؒ نے یہ حاشیہ لکھا ہے:

"یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ نہ پکڑ جائے اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ العیاذ باللہ (تفسیر عثمانی ص۴٦٦)

اور سورۃ نساء کی ٦٥ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

"سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں۔ اس جھگڑے میں جو اُن میں اٹھے۔ پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ منافق لوگ کس بیہودہ خیال میں ہیں۔ اور کیسے بیہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ ان کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے ان کے دلوں میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے۔ اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کر لیں گے۔ اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں کہا ہے کہ: "جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں طعنہ زنی کی۔ تو اسکی سزا وہی ہے، جو مرتد کی ہے۔ (ص ٣٨١)

اب مذکورہ آیاتِ کریمہ اور تصریحات کی روشنی میں بآسانی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ پرویز کی یہ بات کس قدر لغو اور گمراہ کن ہے کہ: رسول اللہؐ اس قانون کا انسانوں تک صرف پہنچانے والا ہے۔ اور اسے کوئی حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے۔

ہم کہتے ہیں کہ پرویز کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں اس قسم کی بات کہے، جو سنگین مضمرات کی حامل ہے۔ پرویز اپنی کتابوں میں جا بجا علامہ اقبالؒ کے

اشعار بطور اسناد پیش کرتا ہے۔ اور ان سے بظاہر بڑی عقیدت رکھتا ہے۔ اسی مناسبت سے ہم یہاں علامہ اقبال کا ایک شعر پیش کرتے ہیں۔ جو پرویز کے مطابق حال ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

(۲) **عبادتِ الٰہی کا مفہوم** | یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ (بقرہ ۲۱) اے گروہ انسانی تمہیں ان اقوام کے خود ساختہ نظام کی نگاہ فریب جگمگاہٹ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے، تمہیں چاہیئے کہ اپنے آپ کو اپنے نشوونما دینے والے کے قوانین کے تابع لے آؤ (مفہوم القرآن ص۱۱)

پرویز نے جس طرح "اِلٰہ" سے قانون الٰہی مراد لیا تھا اسی طرح اس نے عبادتِ الٰہی سے بھی قوانین الٰہی مراد لئے ہیں۔ لیکن قانون اور مقنّن دو متغائر چیزیں ہیں۔ اس لئے جہاں مقنّن کی ذات ذکر کی جائے وہاں اس سے اس کا قانون مراد لینا کسی مبتلائے اوہام ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پرویز عبادتِ الٰہی کے قرآنی تصور کا قائل نہیں۔

آیت کریمہ کا اصلی ترجمہ یہ ہے: "اے لوگو! بندگی کرو اپنے پروردگار کی۔"

(۳) **ہفت آسمانوں کے وجود سے انکار** | ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط (بقرہ: ۲۹) تم کائنات کی پنہائیوں پہ غور کرو کہ اس میں متعدد اجرام فلکی کس توازن و اعتدال کے ساتھ اپنے اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں سرگرم ہیں۔ (مفہوم القرآن ص۱۱)

قرآن نے متعدد مقامات میں "سبع سموات" یعنی سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ہر جگہ پرویز نے ان سے متعدد اجرام فلکی مراد لئے ہیں جس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ پرویز آسمانوں کے وجود سے منکر ہے اور دوسری بات یہ کہ وہ آسمانوں کی تعداد سے بھی انکار کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ آسمانوں سے متعلق قرآن مجید کی صریح اور واضح نصوص کی تکذیب پر مُصر ہے۔ اجرام فلکی سے وہ اجسام مراد ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان خلا میں واقع ہیں جیسے سورج، چاند، ستارے اور سیارے وغیرہ۔

فلک اور آسمان دو مختلف چیزیں ہیں۔ فلک کا مفہوم آسمان سے قطعی مختلف ہے۔ اور اس سے ستاروں کا مدار مراد ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی مفردات فی غریب القرآن میں فلک کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "الفلک مجری الکواکب و تسمیۃ بذالک لکونہ کالفلک قال وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ط۔ یعنی فلک سے مراد ستاروں کا مدار ہے اور فلک کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کشتی کی طرح گول ہے۔ ارشاد ربانی ہے اور سورج اور چاند ستارے اپنے اپنے مدار پر گردش کرتے ہیں۔

امام راغب کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ فلک سیاروں کے مدار کو کہتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت کریمہ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ط کے ذیل میں وہ وجہ بھی لکھی ہے کہ سورج اور چاند ستاروں کے مدار کو کیوں فلک کہا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"اور فلک گول چیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر (گول) ہے اس لئے اس کے مدار کو فلک قرار دیا۔ (بیان القرآن ج ۲ صـ ۶۴)

علامہ سید آلوسیؒ نے روح المعانی میں تصریح کی ہے کہ:

"الفلك غير السماء" یعنی فلک آسمان سے غیر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پرویز نے آسمانوں کے وجود اور تعداد سے انکار کیا ہے اور یہ قرآن حکیم کے صریح نصوص کی تکذیب ہے۔ مذکورہ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے: "پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان۔"

سائنس دان بھی آسمان کے وجود سے انکار نہیں کرتے، وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ رصد گاہوں کے ذریعے ہماری نظر دس کھرب میل نوری سال بلندیوں تک پہنچتی ہے۔ اس مقام پر سفید اجسام ہمیں نظر آ رہے ہیں جو اوپر چڑھتے جا رہے ہیں ہم کہتے ہیں کہ سائنس دانوں کی نظر ابھی آسمان تک نہیں پہنچی ہے، کیونکہ وہ ان کے منتہائے نظر سے بہت دور بلندیوں پر واقع ہے۔ اور ابھی تک سائنس دانوں نے ایسی دوربین ایجاد نہیں کی جس کے ذریعے دس کھرب میل نوری سال سے اوپر ان کو اجرام سماوی نظر آئیں اور اس دعوے کی دلیل کہ آسمان تمام اجرام فلکی کے اوپر واقع ہیں۔ یہ آیت کریمہ ہے: "وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا" یعنی ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ کسی عمارت کی چھت اسکی سب دیواروں اور ستونوں کے اوپر ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ تمام ستارے زمین و آسمان کے درمیان (خلا) میں واقع ہیں ـــ (بحوالہ تفسیر عزیزی)

(۴) آدمؑ اور ملائکہ کے وجود سے انکار | وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ط (بقرہ ۳۰) جب زندگی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی پیکر انسانی میں پہنچی۔ اور مشیت کے پروگرام کے مطابق وہ وقت آیا کہ اپنے سے پہلی آبادیوں کی جگہ زمین میں آباد ہو۔ (مفہوم القرآن صـ ۱۲)

اس آیت کے معنی اور مفہوم کو بدل دیا گیا ہے۔ آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے:

"اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔"

۷) قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (بقرہ ۳۰) تو کائناتی قوتوں کو اس پر تعجب ہوا۔ اس لئے کہ
سے پہلے کائنات میں کوئی ایسی مخلوق نہیں تھی جسے قوانین خداوندی سے سرتابی ہو (مفہوم القرآن ص۱۲)

پرویز آیتوں کے مفہوم اور معانی میں مسلسل تحریف و تبدیل کر رہا ہے۔ اس آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے :
شتوں نے کہا کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں ۔"

) وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ (۲/۳۱) انسان میں اس امر کی امکانی استعداد رکھ دی گئی تھی کہ یہ
دانین کا علم حاصل کر سکے۔ جس کے مطابق مختلف اشیاء سرگرم عمل ہیں (مفہوم ص۱۲)

آیت کا پرویزی مفہوم آپ نے دیکھا۔ اب اس کا اصلی ترجمہ دیکھئے : " اور سکھلا دئے اللہ نے آدمؑ کو
چیزوں کے نام ۔"

) ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ (۲/۳۱) چنانچہ ان کائناتی قوتوں
کہا گیا کہ اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو کہ یہ جدید مخلوق تمہارے مقابلے میں فروتر ہیں، تو بتاؤ تمہیں یہ استعداد
ہے (مفہوم القرآن ص۱۲)

پرویز کے جعلی مفہوم کے بعد اب آیت کا اصلی مفہوم ملاحظہ ہو۔ : " پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں
سامنے کیا۔ پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو ۔"

) قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ (۲/۳۳) جب اسطرح انسانی ممکنات کی یہ پہلی جھلک ان
سامنے آگئی، تو ان سے کہا گیا کہ ہم کائنات اور اس میں پیدا کی جانے والی مخلوق کے متعلق وہ کچھ جانتے
تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ دوسری ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم سے سردست کیا کچھ ظہور میں
ہے اور تمہاری مضمر صلاحیتیں کیا ہیں جن کی نمود انسان کے ہاتھوں ہوئی۔ (مفہوم ص۱۳)

اس مفہوم باطلہ کے مقابلے میں اب آیت کا اصلی اور صحیح مفہوم ملاحظہ ہو۔ " فرمایا اے آدمؑ فرشتوں
چیزوں کے نام بتا دے ۔"

) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط (۲/۳۴) اس پر کائناتی قوتیں سب
سان کے سامنے جھک گئیں۔ لیکن ایک چیز ایسی بھی تھی جس نے اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا
نے سرکشی اختیار کی۔ یہ تھے انسان کے خود اپنے جذبات جس کے غالب آجانے سے اسکی عقل و فکر
ب ہو جاتی ہے۔ اور اتنی بڑی قوتوں کا مالک خود اپنے ہاتھوں سے بے بس ہو جاتا ہے اور اسی پر چاروں
سے مایوسیاں چھا جاتی ہیں۔ (مفہوم ص۱۳)

یہ تھا آیت کا جعلی مفہوم جو پرویز کا خود ساختہ اور طبعزاد ہے۔ اب آیت مذکورہ کا اصلی مفہوم دیکھئے

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو، تو سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے سجدہ نہیں کیا۔"

تبصرہ | مذکورہ آیتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے مسجودِ ملائکہ بننے کا تفصیلی ذکر ہے۔ لیکن پرویز ان صریح الدلالت آیتوں کے اصلی اور حقیقی معانی سے انکار کرتا ہے اور ان کی جگہ آیاتِ کریمہ کو اپنے من گھڑت معانی کا جامہ پہنا رہا ہے۔ دراصل پرویز آدم علیہ السلام اور ملائکہ کے وجود سے انکاری ہے۔ اور اسی طرح ابلیس کے وجود کا بھی منکر ہے۔ ہم یہاں اسکی ایک کتاب "ابلیس و آدم" سے دو اقتباس پیش کر رہے ہیں جس سے ان کی ذہنیت اور بھی بے نقاب ہو جاتی ہے۔

(۱۰) یہ تو ہم پہلے باب میں دیکھ چکے ہیں کہ انسان کی پیدائش کس طول طویل سلسلۂ ارتقاء کے ماتحت ہوئی ہے اور اس سلسلۂ ارتقاء کے بعد کسی ایک فرد کی تخلیق نہیں ہوئی، بلکہ ایک نوع کی تخلیق ہوئی۔ نوعِ انسانی کہا گیا ہے۔ لہٰذا آدم سے یہ مراد نہیں کہ وہ سب سے پہلا انسان تھا جو کسی نہ کسی طرح یونہی بنا دیا گیا تھا اور اس سے پھر نسلِ انسانی آگے بڑھی۔ بلکہ آدم سے مراد ہے قصۂ آدم خود آدمی کی سرگذشت ہے نہ کہ کسی خاص فرد کی داستانِ زندگی۔ بابا آدم اور اماں حوّا کا تصور بائبل کا تصور ہے۔ قرآن کا نہیں۔ قرآن نے آدمی کی سرگذشت کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا ہے تاکہ مجرد حقیقتیں تشبیہات کے لباس میں سامنے آسکیں۔ (ابلیس و آدم ص۶۷)

(۱۱) ہمارے ہاں عام طور پر جو عقیدہ مروّج ہے کہ خدا نے آدمؑ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ یعنی آدم خلیفۃ فی الارض ہے۔ اس عقیدے کی کوئی سند نہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں خلیفہ کہتے ہیں کسی کا جانشین۔ اس لئے خدا کا جانشین ہونا نہ صرف مضحکہ خیز بلکہ گمراہ کن ہے۔ (ابلیس و آدم ص۹۳)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ پرویز آدم علیہ السلام کے وجود اور ان کی خلافت و نبوّت سب سے منکر ہے اور اس عقیدے کو مضحکہ خیز اور گمراہ کن قرار دے رہا ہے جب کہ یہ حقائق قرآن حکیم ہی سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ آدم علیہ السلام کی خلافت تو آیت "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط" سے ثابت ہے اور داؤد علیہ السلام کی خلافت بھی قرآن مجید سے ثابت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا۔ "یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ" یعنی اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور یہ انسان کی تکریم و تبجیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نیابت کا اعزاز عطا فرمایا۔ انسان اللہ کی ذات کی نیابت نہیں کرتا بلکہ اسکی صفات کا مظہر بن کر صفات کی نیابت کر رہا ہے۔ خلافت سے مراد خلافتِ الٰہیہ یعنی حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہے۔ اور زمین اور انسانی زندگی سے متعلق تمام امور کا انتظام عدل و انصاف سے قائم کرنا

لیکن پرویز بڑی جسارت کے ساتھ قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق سے نہ صرف انکار کر رہا ہے بلکہ
ہیں مضحکہ خیز اور گمراہ کن قرار دے رہا ہے۔

رہی آدم علیہ السلام کی نبوت تو وہ قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی
دَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران ۳۳) ترجمہ: بیشک اللہ نے
م اور نوحؑ کو اور اولادِ ابراہیمؑ اور اولادِ عمران کو سارے دنیا جہاں پر برگزیدہ کیا ہے۔"

اس آیت میں جس طرح لفظ "اصطفٰی" حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور آل عمران کے لئے
ستعمال فرمایا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت
واضح ترین دلیل ہے۔ اور ایک پیغمبر کی نبوت سے انکار کرنا خود قرآن مجید کی رو سے موجب کفر ہے۔
نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ ۲۸۵) ترجمہ۔ ہم اس کے پیغمبروں میں کسی میں تفریق نہیں کرتے
سی پیغمبر کو مانیں کسی کو نہ مانیں۔"

واضح نصوص قرآنی سے ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ اور اسی انسان اول
لیق اور ظہور فرد کی حیثیت سے ہوا تھا جس سے بعد میں اسکی زوجہ حضرت حوا کی تخلیق ہوئی اور آگے
ن سے نسل انسانی پھیلی۔ لیکن پرویز قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کو بڑی جسارت کیساتھ جھٹلا رہا
اور فلسفۂ جدید کے ارتقائی تصور پر ایمان رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"انسانِ اول کوئی ایک فرد نہ تھا بلکہ یکبارگی نوعِ انسانی کی تخلیق ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ
بارگی افراد انسانی ظہور میں آئے۔ اور پھر ان افراد سے نسلِ انسانی پھیلی۔ لیکن چونکہ "دروغگو را حافظہ نباشد"
لئے پرویز "مفہوم القرآن" میں آیت ذیل کی تفسیر میں لکھتا ہے:

"خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا
كَثِیْرًا وَّنِسَآءً (سورہ نساء آیت ۱)

اے نوعِ انسانی! اپنے نشوونما دینے والے کے قانون کی نگہداشت کرو۔ جس نے تمہاری پیدائش کی
ر ایک جرثومۂ زندگی سے کی۔ ازاں بعد یہ جرثومہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا جس سے نر و مادہ کی تقسیم
میں آئی اور یوں نر و مادہ کے اختلاط سے اس نے کرۂ ارض پر کثیر آبادی پھیلا دی۔ جو مردوں اور عورتوں
مل ہے۔ (مفہوم القرآن ص۱۷۵)

ہم دیکھ چکے ہیں کہ پہلے پرویز نے یہ کہا تھا کہ تخلیقِ انسانی کی ابتدا میں ایک یا دو انسان ظہور میں
آئے تھے بلکہ ایک نوع کی تخلیق ہوئی۔ یعنی نوعِ انسانی کے کئی افراد کی یکبارگی تخلیق ہوئی اور اب مندرجہ بالا

آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ انسانی پیدائش کی ابتداء ایک جرثومۂ زندگی سے ہوئی، زاں بعد یہ جرثومہ دو حصوں میں بٹ گیا جس سے نر و مادہ وجود میں آئے۔ بہر حال طبیعیات اور فلسفہ جدید پر ایمان رکھنے والے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ کہ وہ تذبذب، تضاد اور ژولیدگیٔ فکر کا شکار ہوتے ہیں۔ اور ان کے خیالات و مفروضات میں یک رنگی نہیں ہوتی اور ان کو ثبات و استقامت نصیب نہیں ہوتی۔ مذکورہ آیت کا جو مطلب اس نے بیان کیا ہے۔ آیت کے الفاظ اس کے متحمل نہیں ہیں۔ پرویز اس آیت کی تکذیب اور انکار دونوں کا مجرم ہے۔

اب پرویز کا ایک اور تضاد ملاحظہ ہو جس میں اس نے کہا ہے کہ انسانوں کی پیدائش ذرّاتِ خاکی سے ہوئی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"خاک کے ذرّات ارتقائی منازل طے کر کے انسانی صورت میں متشکل ہوئے۔ انسان اپنی نیم حیوانی اور نیم انسانی زندگی کے مراحل طے کر کے اس مقام تک آپہنچا۔ جہاں سے آپس میں مل جل کر رہتا تھا۔ (ابلیس و آدم ص۱۰۵)

سچ ہے قرآن مجید کے صراطِ مستقیم سے بھٹکنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ ان کے خیالات پریشان میں تذبذب اور تضاد ہوتا ہے اور وہ کسی ایک نقطے پر ثابت قدم نہیں رہتے۔

بہر حال پرویز کے مفہومات اور مفروضات سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے انسان اوّل یعنی آدم علیہ السلام کی آفرینش کے بارے میں جو واضح اور صریح ارشادات فرمائے ہیں اُن سے اُس کو شدید انکار ہے۔ قرآن حکیم صاف کہتا ہے کہ انسان اوّل آدم علیہ السلام ایک فرد تھا جس کی تخلیق مٹی سے ہوئی:

"خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ط (آل عمران ۵۹) ترجمہ: بنایا آدم کو مٹی سے پھر کہا اُس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا۔"

آیت مذکورہ کے بعد متصل آیت یہ ہے: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ط (۱)

ترجمہ: حق وہ ہے جو تیرا رب کہے۔ پھر تو مت رہ شک کرنے والوں سے۔"

مطلب یہ کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر سچ اور برحق ہے پس جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان موجود ہو۔ وہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی خبر میں شک تو ایک طرف ادنیٰ تردّد بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس سے انکار تو بڑی بات ہے۔ لیکن ہم نے پرویز کی تلبیسات سے معلوم کر لیا کہ وہ قرآن کی بتلائی ہوئی حقیقتِ ثابتہ میں شک کی بجائے اس سے صاف انکار کر رکھا ہے۔ اور اس کے جھٹلانے کا مرتکب ہے ——— ایک دوسری آیت میں صاف کہا گیا ہے کہ انسانی تخلیق کی ابتداء

گارے سے ہوئی، چنانچہ فرمایا : وَبَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (السجدہ ۷) ترجمہ : اور انسان کی پیدائش کی ابتداء ایک گارے سے شروع کی پھر اسکی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنائی۔"

یہ آیت کریمہ برہان قاطع ہے، پرویز اور ہمچوں قسم کے لوگوں پر جو انسانی تخلیق کی ابتداء جرثومہ حیات یا ذراتِ خاکی سے بتاتے ہیں۔ یا ایک انسان کی بجائے بیک وقت نوعِ انسانی کی پیدائش کے قائل ہیں۔ قرآن مجید میں بیشمار مقامات میں آدم علیہ السلام اور ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن پرویز کو ان تمام آیات کے مدلولات اور حقائق سے انکار ہے۔ اور ان میں طفلانہ مضحکہ خیز اور تمسخر انگیز تحریفات اور تلبیسات کی ہیں۔ زمانۂ رسالت اور عہد صحابہؓ سے لیکر اس وقت تک تمام اُمتِ مسلمہ کے جو قرآنی عقائد چلے آرہے ہیں ان کو نہایت بیدردی سے مجروح کیا ہے اور قرآن مجید کو اپنی تحریفات اور دماغی اختراعات کا تختۂ مشق بنایا ہے۔ حضرت حافظ شیرازیؒ نے فرمایا ؎

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

لیکن ظاہر ہے کہ پرویز قرآن کو دامِ تزویر کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ اور اس کے مدلولات اور حقیقی مفہومات میں بڑی جرأت اور بے خوفی کے ساتھ ردّ و بدل کر رہا ہے۔

(مسلسل)

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
"لباس التقویٰ ذٰلک خیر"

ضیاء الدین صاحب ۔ لاہوری
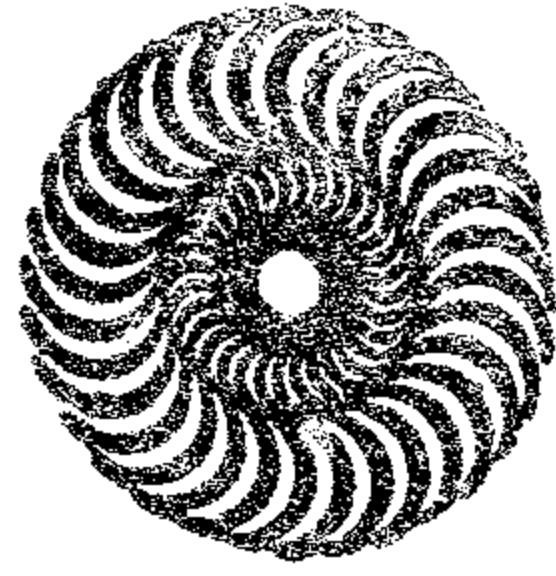
علی گڑھ کالج کے اصل مقاصد

اور

اُن کے نتائج

علی گڑھ کالج کے قیام کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ اس دوران یہاں سے ہزاروں افراد تعلیم و تربیت کے مراحل طے کر کے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی حیثیت بلند کرنے میں اس ادارے نے ایک اہم کردار ادا کیا۔

کالج کے قیام سے قبل جب مسلمانوں کی تعلیم کے مقاصد کے تعین کے بارے میں غور و فکر ہو رہا تھا تو سر سید احمد خان نے "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان" کے سیکرٹری کی حیثیت سے اس کے اجلاس میں جو تمہیدی گفتگو کی اس میں انہوں نے کہا۔

"تعلیم ہمیشہ کسی خاص مقصد کے لئے نہیں ہوتی اور نہ کسی گروہ کثیر کا ہمیشہ ایک ہی مقصود ہوتا ہے بلکہ ایک گروہ کثیر میں مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں ہم جس طریقہ کے قرار دینے کی فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے گروہ سے علاقہ رکھتا ہے"[1]

تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کرتے وقت ان کے بانیوں کے ذہنوں میں چند مقاصد ایسے بھی ہوتے ہیں جو مصلحتاً اصل دستاویزات کی تحریر میں شامل نہیں کیے جاتے۔ مگر عمومی طور پر وقتاً فوقتاً مناسب موقعوں پر ان کا زبانی و تحریری اظہار ہوتا رہتا ہے۔ لہذا ان اداروں کے زیر تربیت اور تربیت یافتہ افراد کے ذریعہ یہ مقاصد عوامی زندگی پر لازمی اثر انداز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات زمانہ ایسا رخ اختیار کرتا ہے کہ ان میں سے چند مقاصد پس پشت چلے جاتے ہیں۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت بانیان ادارہ کے تعین کردہ اہم ترین مقاصد کے بالکل برعکس مقاصد ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اور یہی ان اداروں کا طرۂ امتیاز بن جاتے ہیں۔ موخر الذکر صورت سے مفاد اٹھانے والے افراد مخصوص مصلحتوں کے تحت برعکس مقاصد کی کامیابی کا سہرا بھی ان بانیوں کے سر سجا دیتے ہیں۔ جن کی زندگی کا مقصد ہی ان

---

[1] تہذیب الاخلاق جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۸۹۵ء ص ۲۹۵

"نئے مقاصد" کے خلاف جدوجہد کرنا رہا ہوتا ہے۔ ایسے واقعات بھی مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جب بانیوں کی زندگی میں ہی کسی ادارے کی حکمت عملی میں ایسی تبدیلی آئی تو انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی مگر ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور خود انہیں ہی ادارہ سے الگ ہونا پڑا، یا کر دیا گیا۔ اگر یہ تبدیلی بانیوں کے انتقال کے بعد عمل میں آئے تو کامیابی کے حصول کی خاطر ان کی شہرت کو کام میں لایا جاتا ہے۔ اور نئے مقاصد کو بھی توڑ مروڑ کر ان ہی کے نام موسوم کر دیا جاتا ہے۔ اور یوں اس ادارہ کی ایک مسخ شدہ تاریخ جنم لیتی ہے۔

اگر علی گڑھ کالج کے اصل مقاصد کو سامنے رکھ کر بعد میں اس ادارے کی بعض مخصوص سرگرمیوں کا دیانت داری کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو بلاشبہ اس میں بھی مذکورہ بالا کیفیت نظر آئے گی۔ سر سید احمد خان کی زندگی میں بھی ایک ایسا موقع آیا جب ٹرسٹی بل کے مسئلہ پر انہیں کالج کے بعض ٹرسٹیوں سے سخت اختلاف ہو گیا اور انہوں نے یہاں تک دھمکی دے دی کہ "اگر ہم سے اختلاف کیا جاتا ہے تو ہم سکریٹری ہونا چھوڑ دیں گے۔ اور کالج کو ملیامیٹ کر دیں گے"[1] مگر وہ چونکہ ایک مضبوط اور موثر شخصیت کے مالک تھے لہٰذا وہ کامیاب رہے۔ اور نتیجۃً مولوی محمد سمیع اللہ خاں، جو کسی وقت سر سید کی نگاہ میں " بانی و حامی اور عقل کل مدرستہ العلوم"[2] تھے۔ اور ان کی پارٹی کو کالج سے الگ ہونا پڑا۔

سر سید اور ان کے شرکائے کار کی کامیابی نے کالج کے اصل مقاصد کو تقویت پہنچائی اور ایک عرصہ تک ان پر باقاعدہ عمل درآمد ہوتا رہا۔ مگر ان کے بعض قریب ترین معتمدین کو بھی کالج میں یورپین سٹاف کی حمایت میں سر سید کی انتہا پسندانہ پالیسی سے اختلاف رہا۔ اور وہ اسے کالج کے مقاصد کے لئے ضرر رساں سمجھتے رہے۔ سر سید کی زندگی کے آخری ایام میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے معتمدین نے ہی سر سید کے خلاف اعلانیہ مخالفت کا فیصلہ کر لیا۔ نواب وقار الملک نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ پیسہ اخبار (۱۹۰۷ء) میں اس کی تفصیلات یوں بیان کی ہیں :-

"..... ان حالات کو دیکھ کر وہ لوگ، جن کو قوم کا زیادہ درد تھا، بہت فکر میں پڑ گئے تھے۔ اور باہم سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور بالآخر باوجود سر سید مرحوم و مغفور کے ان اقتدارات اعظم اور عظمت و جلال کے، جس کی دوسری نظیر شاید مدت تک نہ ملے گی۔ بعض ٹرسٹیوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ہم کو صرف اپنی قوم کی بہبودی کا خیال مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور جناب مرحوم و مغفور کی مروّت کو قوم کے مقابلہ میں بالائے طاق رکھنا چاہئے مضامین کا ایک سلسلہ روزانہ پیسہ اخبار لاہور میں چھاپنا تجویز ہوا تھا جو گمنام نہ ہوتا بلکہ

---

[1] مضمون "ہاں اور چھیڑ و" سرمود رگزٹ نامین ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۹، بحوالہ مقالات سر سید حصہ دہم مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱۸۱

[2] مضمون "غلط فہمی" مندرجہ تہذیب الاخلاق (۱۸۷۹) منقول از برگ گل کراچی سر سید نمبر (طبع ثانی) ص ۳۴۸

اس پر ایسے لوگوں کے دستخط ثبت ہوتے جیسے کہ نواب محسن الملک اور شمس العلما مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اور ایک یہ خاکسار مشتاق حسین۔ اور مجھ کو اس وقت اچھی طرح یاد نہیں ہے غالباً آنریبل حاجی محمد اسمعیل خان بہادر کے دستخطوں کا بھی ان مضامین پر ثبت ہونا تجویز ہو گیا تھا۔ اب مضامین کے ذریعہ سے یہ بات ثابت کرنی مقصود تھی کہ کالج کے قیام سے جو اصل مقصد تھا اب جناب مرحوم و مغفور اپنے ہاتھ سے اس کو برباد کر رہے ہیں۔ اور ٹرسٹیوں اور قوم کو چاہیے کہ وہ جناب مرحوم کی اس خود مختاری کو روکے اور کالج کو تباہی سے بچائے۔"

" پہلا نمبر اس سلسلہ مضامین کا میں نے اپنے قلم سے لکھا تھا۔ اور نواب محسن الملک بہادر اور شمس العلما مولوی حالی صاحب کی خدمت میں، جو غالباً اس وقت علی گڑھ ہی میں تشریف رکھتے تھے، دستخطوں کے لئے بھیجا گیا تھا۔ کہ دفعتہً جناب مرحوم و مغفور کی رحلت کی خبر پہنچی۔ اور میں نے فوراً نواب محسن الملک کو تار دیا۔ کہ وہ مضمون واپس کر دیں کیونکہ اب ہمارے دلوں میں جناب ممدوح کی خوبیوں اور بے نظیر عمدہ اوصاف کے سوا اور کوئی خیال باقی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی وقت سے ان مضامین کا سلسلہ ترک کر دیا گیا۔ بلکہ دلوں سے بھی اس شکایت کو نکال دیا گیا۔ اور اس وقت بھی صرف کالج کے فوائد کی غرض سے اس کو ظاہر کیا گیا ہے۔" [۱]

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کے بعد انہی نواب محسن الملک پر، جب کہ وہ کالج کے سیکرٹری تھے۔ نواب وقار الملک نے اس معاملے میں سر سید سے بھی زیادہ غلطیاں کرنے کا الزام لگایا۔ اپنے ایک مکتوب میں وہ مولانا حالی کو گذشتہ واقعہ کی یاد دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

" ایک خاص مضمون بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اگر جناب سر سید مرحوم و مغفور ایک مہینہ بھی اور زندہ رہتے تو جناب اور نواب محسن الملک اور خاکسار کے دستخطوں سے ایک یادداشت ٹرسٹیوں میں جاری ہو چکی تھی کہ کالج کی خبر لیں اور اس کو یورپین سٹاف کے ہاتھوں چلے جانے سے روکیں۔ میں جواب کی مرتبہ علی گڑھ گیا تھا تو نواب محسن الملک بہادر کو میں نے وہ واقعہ یاد دلایا جس سے میری غرض یہ تھی کہ ایک تو وہ وقت تھا کہ جب وہ اس مقصد کے واسطے سر سید کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ یا آج یہ دن ہے کہ خود اس سے زیادہ غلطیاں کر رہے ہیں۔" [۲]

---

[۱] بحوالہ تذکرہ وقار (محمد امین زبیری) مطبوعہ ۱۹۳۸ء ص ۳۵۳/۲۵۴/۵۱ [۲] بحوالہ یادگار حالی (صالحہ عابد حسین) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۳

خود نواب محسن الملک ایک موقع پر سرسید سے اختلاف کی ضرورت پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں :-

" اگرچہ یہ سچ ہے کہ سرسید نہایت عالی دماغ اور دور اندیش مدبر تھے ۔ اور وہ شب و روز قومی ترقی کے خیالات میں مستغرق و منہمک رہتے تھے ۔ وہ جو رائے قائم کرتے بعد غور کامل کے جو خیالات ظاہر کرتے اس کے ہر پہلو پر گہری نظر ڈالتے اور اس وجہ سے کوئی دانشمند شخص یکایک سرسید کے خیالات سے اختلاف نہیں کر سکتا ۔ لیکن زمانہ کی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے ۔ اقتضائے زمانہ ہمیشہ دانش مندوں کو اپنے واجب الاحترام بزرگوں کی رائے سے اختلاف کرنے یا جدید تجاویز پیش کرنے کو مجبور کرتا ہے ۔"[1]

بہر حال سرسید کے انتقال کے بعد کالج کے معاملہ میں ان کی افتاد اور حکمت عملی آہستہ آہستہ اپنی ڈگر سے ہٹتی گئی کالج کی غرض و غایت کا اصل تصور بھی ذہنوں سے محو ہوتا چلا گیا ۔ نواب محسن الملک کے بعد نواب وقار الملک کالج کا انتظام سنبھالا ۔ اور اس کے بعد دوسرے آئے ۔ زمانہ کروٹ لے چکا تھا ۔ اور کالج کو بھی نئے تقاضوں کے مطابق اپنے اعلیٰ مقاصد تبدیل کرنا پڑے ۔

علی گڑھ کالج کے خاص مقاصد کیا تھے ۔ اس کے لئے سب سے پہلے ہم اصل دستاویز کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ کالج کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ لٹن کو جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اس "بانیان کالج کی نگاہ میں نمایاں مقاصد" بیان کرتے ہوئے آخر میں اس اہم مقصد کا ذکر کیا گیا ہے ۔

" ہندوستان کے مسلمانوں کو سلطنت انگریزی کی لائق و کار آمد رعایا بنانا اور ان کی طبیعتوں میں اس قسم کی خیر خواہی پیدا کرنا جو ایک غیر سلطنت کی غلامانہ اطاعت سے نہیں بلکہ عمدہ گورنمنٹ کی برکتوں کی اصل قدر شناسی سے پیدا ہوتی ہے ۔"[2]

کالج کے جو بھی اندرونی مقاصد تھے ۔ سرسید کی مخالفت اور موافقت کے جوش میں ان کے بارے میں اپنے اپنے خیال کے مطابق طبع آزمائی کی گئی ۔ بقول حالی

" ایک مدت تک سرسید کی نسبت لوگوں کو طرح طرح کی بدگمانیاں رہیں ۔ ہزاروں آدمی یہ سمجھتے تھے کہ انگریزی تعلیم کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائی یا لامذہب بنانا منظور ہے ۔ اور ہزاروں یہ خیال کرتے تھے کہ مدرسہ قوم کے فائدہ کے لئے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ

---

[1] مجموعہ لیکچرز و اسپیچز (نواب محسن الملک) مطبوعہ لاہور (۱۹۰۴ء) ص ۴۴۲

[2] ایڈریس اور اسپیچیں متعلقہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۹۸ء ص ۳۲

انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو"

مندرجہ بالا خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا حالی لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ اس خیال کا دوسرا جزو صحیح تھا مگر پہلا جزو اس لئے غلط تھا کہ حالتِ موجودہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی اسی بات پر موقوف ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو"[1]

مخالفین مدرسہ کے خیالات سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں خود سرسید کیا کہتے ہیں۔ ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت ان کے خیالات درج کئے جاتے ہیں۔

ذریعہ قومی ترقی۔ ہندو مسلم دونوں کے لئے

۱۸۸۴ء میں سرسید نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ پنجاب کا دورہ کیا جہاں انہوں نے متعدد جلسوں سے خطاب کیا۔ انجمن اسلامیہ امرتسر کے سپاس نامہ کے جواب میں انہوں نے کہا:۔

"مدرسۃ العلوم بے شک ایک ذریعہ قومی ترقی کا ہے۔ یہاں پہ قوم سے میری مراد صرف مسلمانوں ہی سے نہیں ہے بلکہ ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے"[3]

اس بیان کی وجہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے یہ دلیل پیش کی:۔

"..... ہندوؤں کی ذلت سے مسلمانوں کی اور مسلمانوں کی ذلت سے ہندوؤں کی ذلت ہے۔ پھر ایسی حالت میں جب تک یہ دونوں بھائی ایک ساتھ پرورش نہ پائیں۔ ساتھ ساتھ یہ دونوں دودھ نہ پئیں۔ ایک ہی ساتھ تعلیم نہ پائیں۔ ایک ہی طرح کے وسائل ترقی دونوں کے لئے موجود نہ کئے جائیں۔ ہماری عزت نہیں ہو سکتی۔ مدرسۃ العلوم کے قائم کرنے میں میرا یہی مطلب تھا"[4]

اسی قسم کے خیالات کا اظہار انہوں نے انڈین ایسوسی ایشن لاہور کے سپاسنامہ کے جواب میں کیا اور کہا کہ انہیں اس بات پر افسوس ہوگا۔ "اگر کوئی شخص یہ خیال کرے گا کہ یہ کالج ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز ظاہر کرنے کی غرض سے قائم کیا گیا ہے"

آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کی تقلید کا عزم

"مدرسۃ العلوم مسلمانان کیسا ہو گا" کے زیر عنوان اپنے ایک مضمون مطبوعہ ۱۸۷۲ء میں مدرسہ کے نظم و نسق اور مختلف علوم کے طریقۂ تعلیم کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

"ہم اس مدرسۃ العلوم کو محمڈن یونیورسٹی یعنی دارالعلوم مسلمانی بنانا اور بالکل آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کی (جس کو ہم دیکھ آئے ہیں) نقل اتارنا چاہتے ہیں"[5]

---

[1] حیاتِ جاوید (مولانا حالی) مطبوعہ کان پور ۱۹۰۱ء حصہ دوم ص ۲۱۷ [2] ایضاً [3] مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز (سرسید) مطبوعہ لاہور ۱۹۰۰ء ص ۲۳۶ [4] ایضاً ص ۲۴۳ [5] ایضاً

اسی طرح انہوں نے ایک مضمون "طریقۂ تعلیم مسلمانان" میں نصاب اور طریق تعلیم کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا:

"کیمبرج اور آکسفورڈ کی دو یونیورسٹیاں ہماری ہدایت کے لئے موجود ہیں۔ پس ضرور ہے ہم کو ان کی تقلید اور پیروی سے سلسلۂ کتب درسیہ کا تعین کرنا اور اسی طریق پر تعلیم دینا کافی ہوگا۔"[1]

ان کے خیال کے مطابق "آکسفورڈ اور کیمبرج کے قاعدہ کے موافق مدرسۃ العلوم کے قائم ہونے سے طالب علموں کے دلوں میں ایک نئی روح بھر جائے گی اور اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کو بھی اپنی طرف راغب کرے گی۔"[2]

سب سے بڑا مقصد مسلمانوں اور انگریزوں میں دوستی

محمڈن ایجوکیشنل کانگریس اجلاس چہارم منعقدہ علی گڑھ کے موقع پہ پانچویں فاؤنڈیشن ڈنر میں حاضرین جن میں مدرسۃ العلوم کے طالب علم بھی تھے [illegible] سے خطاب کرتے ہوئے سرسید نے کہا۔

"اے میرے دوستو! اور اے کالج کے طالب علمو! تم یقین جانو کہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی اطاعت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری اور نمک حلالی جس کے سایۂ عاطفت میں ہم امن و امان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔ میری یہ رائے آج کی نہیں ہے بلکہ پچاس ساٹھ برس سے میں اسی رائے پر قائم اور مستقل ہوں۔ گورنمنٹ انگریزی اور قوم انگریز مسلمانوں کے ساتھ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اے مسلمانو! اگر تم بھی سچے خلوص اور سچی محبت اور سچی وفاداری اور سچی نمک حلالی سے گورنمنٹ انگریزی کے مطیع اور فرماں بردار رہو گے۔ تو خدا نے جو اپنے حاکم کی اطاعت کا فرض تم پر کیا ہے اس کو بھی ادا کرو گے اور اگر تم اپنے میں اور انگلش قوم میں کچھ دوری سمجھتے ہو اس کو بھی دور کر دو گے۔ کیونکہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی، جو ہم پر حکومت کرتی ہے۔ سب سے پہلا فرض ہے۔"[3]

آخر میں انہوں نے کالج کے نشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم اس نشان کو اپنے دلوں میں بھی نقش کرو گے اور یاد رکھو گے کہ اس کالج کا بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں اور انگریزوں میں اتحاد ہو اور وہ ایک دوسرے کے اغراض میں یک جان اور دو قالب ہو کر، جیسا کہ اس نشان میں کریسنٹ اور کراس یک جان و دو قالب ہیں، شریک رہیں گے۔"[4]

---

[1] تہذیب الاخلاق جلد دوم محولہ بالا ص ۵۰۶ [2] تہذیب الاخلاق علیگڑھ ۱۵ رجادی الاول ۱۲۹۰ھ ص ۷۹ [3] مکمل مجموعہ لیکچرز [illegible] محولہ بالا ص ۳۰۴۔ [4] روئداد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس نہم مطبوعہ آگرہ ۱۸۹۵ء ص ۱۲۹۔

اصل مقصد۔ مسلمانوں کو مذاق اور رائے و فہم کے اعتبار سے انگریز بنانا

سر سید نے اپنی ایک تحریر نوشتہ ۱۸۷۲ء میں ایم اے او کالج قائم کرنے کے اسباب اور مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا :۔

"اصل مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنسز اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون ہندوستانی ہوں مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں"[1]

خاص مقاصد پر عمل درآمد

کالج میں ان مقاصد کی تکمیل کے لئے متعدد اقدامات کئے جاتے رہے۔ نصاب کا بن کرتے وقت ان مقاصد کو مدنظر رکھا گیا۔ بورڈنگ ہاؤس کا نظام اس تربیت کا عملی مظاہرہ تھا اور وقتاً فوقتاً متعدد مزہبات میں تقریروں کے ذریعہ ان پر عمل درآمد کی تلقین کی جاتی۔ ۱۹۰۲ء میں نواب محسن الملک نے یونیورسٹیز کمیشن کے روبرو بطور شہادت جو تحریری تقریر کی اس میں انہوں نے علی گڑھ کالج میں مذہبی تعلیم کے بارے میں بتایا۔

"یہاں کی مذہبی تعلیم تعصب سے پاک ہے۔ تفرقہ کو دور کرنے والی ہے۔ غیر مذہب والوں سے اتحاد اور دوستی رکھنے کی تعلیم دیتی ہے۔ گورنمنٹ کی اطاعت اور سچی خیر خواہی کو جزو اسلام بتاتی ہے"[2]

انہی خیالات کا اظہار کالج کے ٹرسٹیوں کی طرف سے سر آک لینڈ کالون کو پیش کئے گئے سپاسنامے میں کیا گیا ہے[3]۔

اس معاملے میں بورڈنگ ہاؤس کا کردار کیا تھا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :۔

"شریفانہ اور باقاعدہ اطاعت و فرماں برداری جو ہر قوم کا اور خاص کر محکوم قوم کا زیور ہے، اس کی عادت ڈلوانے اور مشق کرانے کے جو ذریعے اس بورڈنگ ہاؤس میں موجود ہیں ظاہر ہندوستان کے کسی انسٹی ٹیوشن میں موجود نہیں ہیں"[4]

اسی موضوع پر نواب محسن الملک کے خیالات ملاحظہ فرمائیں :۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کچھ سامان تربیت کا یہاں مہیا کیا گیا ہے اور جس طریقہ سے یہاں بورڈر رکھے جاتے ہیں آج ہندوستان میں بے مثل ہے۔ ہر ایک بورڈر جو مدرسۃ العلوم کی چار دیواری میں قدم رکھتا ہے اپنے تئیں نئی آب و ہوا اور ایک نئی زندگی میں پاتا ہے اور اپنی گرد و پیش کی تمام چیزوں میں زندہ دلی اور شگفتگی اور حرکت اور جوش دیکھتا ہے

1۔ ایڈریسیں و اسپیچیں متعلق ایم اے او کالج محولہ بالا۔ دیباچہ ص۱۲　　2۔ مجموعہ لیکچرز نواب محسن الملک (محولہ بالا) ص ۴۷۰

3۔ ایضاً　4۔ حیات جاوید (محولہ بالا) حصہ دوم ص۹۴

کی

اس کے کانوں میں ہر طرف سے محبت، ہمدردی اور گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی کی آوازیں آتی ہیں اور وہ اپنے تمام جائز جذبات اور امنگوں کے لئے چاروں طرف آزادی کی راہیں کھلی پاتا ہے۔[1]

کامیابی کی نوعیت اور نتائج | مخصوص تربیت کا کیا ثمر حاصل ہوا اور اس میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی سرسید نے ۱۸۹۶ء میں اپنی ایک تحریر میں اس کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا:-

"ہمارا اصل خیال اور ہماری خاص غرض محمدن اینگلو اورینٹل کالج علیگڑھ کے قائم کرنے سے اسی کے وسائل کا مہیا کرنا اور اپنی قوم کی متفقہ کوششوں سے کالج کو مثل آکسفورڈ یا کیمرج کی یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچانا تھا۔ جو کامیابی ہم کو اس وقت تک اپنے ہم وطنوں اور اپنی ہمدرد حکمران انگریزی قوم کی اعانت و توجہ سے حاصل ہوئی ہے...... وہ ہماری ابتدائی امیدوں سے بہت کچھ بڑھ کر ہے۔"[2]

اسی قسم کے خیالات کا اظہار انہوں نے اپنے انتقال سے چار ماہ پیشتر لارڈ ایلجن وائسرائے و گورنر جنرل ہندوستان کو علی گڑھ کالج کے ملاحظہ کے وقت دئے گئے سپاسنامہ میں کہا۔

"کالج نے اپنے وجود کے بیس سال کے عرصہ میں تعداد طلبہ میں، عمارات میں اور شہرت میں اس قدر ترقی کی ہے کہ ہم کو اس کی توقع نہ تھی۔"[3]

جہاں تک کالج کے ذریعہ انگریزوں اور مسلمانوں میں دوستی قائم کرنے کی کوششوں کا تعلق ہے سرسید کے خیال کے مطابق "اس میں بہت بڑی کامیابی ہوئی۔"[4] اور نواب محسن الملک کی نگاہ میں یہ وہ کالج ہے "جہاں کا طالب علم ہونا پبلک اور گورنمنٹ دونوں کے نزدیک عمدہ تعلیم، پاکیزہ خیالات، پسندیدہ اخلاق، قومی محبت اور گورنمنٹ کی وفاداری کی کافی سند سمجھی جاتی ہے۔"[5] انگریز لفٹیننٹ گورنر نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ

"اس کالج کے طالب علموں میں یہ صفت ہے کہ راست باز اور دلیر اور گورنمنٹ کے خیر خواہ ہیں۔"

سرسید نے اس موقع پر طالب علموں سے خطاب میں گورنر کے ان الفاظ کو دہراتے ہوئے تلقین کی کہ:-

"اس کو کبھی مت بھولنا اور اپنی پرائیویٹ اور پبلک لائف میں نہایت مضبوطی سے اس پر قائم رہنا"[6]

مولانا حالی محمدن کالج کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کامیاب طلبہ کے نتائج سے عدم اطمینان کا اظہار

---

[1] مجموعہ لکچرز نواب محسن الملک (محولہ بالا) ص ۴۶۶ [2] ایضاً، ص ۳۲۳ [3] ایضاً [4] مکمل مجموعہ لکچرز سرسید (محولہ بالا) ص ۳

[5] اوراق گم گشتہ (مرتبہ رئیس احمد جعفری)، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۴۶۴ [6] مکمل مجموعہ لکچرز سرسید محولہ بالا ص ۵۳۱

کرتے ہیں۔ ملازمت میں کالج کے طلبہ کی تعداد کے اعداد و شمار بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:-

"ان نتائج سے محمدن کالج کی کوئی ایسی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی جس کی رو سے اس کو ہندوستان کے اور کالجوں پر ترجیح دی جا سکے۔ یا اس کو مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید سمجھا جائے۔ سوا اس کے کہ اس کالج میں ہندوستان کے اور کالجوں کی نسبت مسلمان طلبہ کی تعداد کسی قدر زیادہ پائی جاتی ہے۔ کوئی تفاوت تعلیم اور نتائج تعلیم کے لحاظ سے محسوس نہیں ہوتا۔ نہ یہاں کے طالب علموں نے آج تک فضیلت اور علمی لیاقت میں اور کالجوں کے طلبہ پر کوئی صریح فوقیت دکھائی ہے۔ اور نہ یہ ثابت کیا ہے کہ یونیورسٹی کے نتائج امتحان میں اس کالج کے تعلیم یافتہ بہ نسبت دیگر کالجوں کے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ پس تاوقتیکہ کوئی وجہ امتیاز کی نہ بتائی جائے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر اور اس سے مفید تر کوئی انسٹی ٹیوشن نہیں ہے"[1]

اور آخر میں وہ مدعا و مقصد و توقعات جن کے لئے علی گڑھ کالج کی داغ بیل ڈالی گئی۔ نواب محسن الملک کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

"اس کا بیج تو بویا سرسید نے، اب جب کہ یہ پھلے پھولے گا اور اس میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو تہذیب، شائستگی، علمی قابلیت اور گورنمنٹ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے آپ اپنی مثال ہوں گے۔ تو اس وقت گورنمنٹ انگریزی کی برکتوں اور آزادی کی بشارت دیتے پھریں گے"[2]

---

[1] حیات جاوید (محولہ بالا) حصہ دوم ص ۹۴ [2] مجموعہ لکچرز نواب محسن الملک (محولہ بالا) ص ۴۸۶

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

انٹرویو نگار مجلہ الامۃ قطر
عربی سے اردو
مولوی محمد حنیف ملّی - نقیب انڈیا

ایک غیر مسلم کی حقیقت افروز شہادت

مسٹر مائیکل میکنال ایک انگریز اہل قلم عربی ادبیات کے ممتاز اسکالر، سنجیدہ اور غیر متعصب فکر کے مبصر، اسلامی علوم کے شناور اور اپنے علمی کمالات کے ایک منفرد عالم اور متعدد زبانوں پر بیک وقت عبور رکھنے والے آدمی ہیں۔ انگلینڈ میں پیدا ہوئے ان کا آبائی وطن اسکاٹ لینڈ ہے۔ انہوں نے فارسی، عربی ادب میں ۱۹۶۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا۔ اور اڈنبرہ یونیورسٹی سے تمام زبانوں کا ڈپلومہ حاصل کیا۔ آج وہ جامع ازہر میں عربی اور فارسی کے کامیاب اور مقبول ترین پروفیسر ہیں ۱۹۶۴ء میں عربی کے اسکالر رہے۔ ان کی نگرانی میں بہت سے مسلم طلبہ نے مختلف سبجیکٹ میں پی ایچ ڈی بھی کیا ہے۔ ان میں " الادب فی العصر الامری، الروایۃ العربیۃ الحدیثۃ " وغیرہ عنوانات نمایاں ہیں۔ اگرچہ غیر مسلم ہیں لیکن فکر و خیال اور احساس و شعور میں اسلامی نقطہ نظر سے بہت قریب ہیں ہم ان صفحات پر قطر سے شائع ہونے والے سرکاری رسالہ " الامۃ " کے شکریہ کے ساتھ ان کا انٹرویو نقل کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ یہ انٹرویو غیر مسلم پاسبان کی طرف سے ایک دل افروز شہادت ہوگا۔ (بشکریہ نقیب)

آپ نے عربی زبان اور اسلامی علوم کو کیوں اختیار کیا؟

میں ایک زمانہ سے اجنبی زبانوں کو سیکھنے کا اہتمام کرتا رہا۔ میں نے روسی، المانی اور فرانسیسی زبان کے ساتھ فارسی بھی سیکھی چونکہ عربی دیگر زبانوں کے مقابلہ پر خصوصی امتیاز رکھتی ہے اس لئے میں نے اسے زبانوں پر ترجیح دی۔

کیا عربی زبان عصری تقاضوں اور وقت کی ضرورتوں کو پورا کر سکے گی ؟

ضرور ، عربی زبان وقت کے تمام تقاضوں ، عصری ضرورتوں کے ساتھ ہر دور کے چیلنج کو قبول کرنے کی اپنے اندر بھرپور صلاحیت رکھتی ہے ۔ اس لئے کہ اس میں منفرد الفاظ کا بڑا ذخیرہ ہے ۔ اور ایک مصدر سے بے شمار شکلیں بنانے کا بے پناہ امکان ہے ترقی یافتہ دنیا جتنی آگے جائے عربی زبان اس کی ہر آواز پر لبیک کہے گی ۔ اس کا دامن عجز اور تنگی سے محفوظ ہے ۔

مصر اور لبنان میں فکر و نظر کے نبرد آزما اور بہت سے ماہرین لسانیات چاہتے ہیں کہ عربی کا لاطینی رسم الخط اپنایا جائے تو کیا یہ ممکن ہے ؟

لاطینی زبان میں کتابت سے عربی کی خصوصیات ختم ہو جائے گی ۔ اس کی شیرینی ، ہمہ گیری اور سلاست وروانی بھی باقی نہیں رہے گی ۔ اور سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ مسلمان اپنے تہذیبی ورثہ اور روایات سے محروم ہو جائے گا ۔ جیسے ترکی کا حشر ہمارے سامنے ہے ۔ آج ترکی کا مسلمان اپنے بزرگوں اور آباؤ اجداد کے تہذیبی ورثہ کے سامنے سرگرداں کھڑا ہے ۔ نہ اسلامی علوم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ لاطینی زبان ہونے کی وجہ سے اسلام کے بیش بہا عربی ذخیرہ کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسلامی ورثہ پر تمام انسانوں کا حق ہے ۔ جس میں کتر بیونت نہیں ۔

آپ نے بڑے پیمانہ پر قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے ۔ یہ بتائیے کہ آج کا مسلمان اپنی عظمت رفتہ اور متاع گم شدہ دوبارہ حاصل کرنے کی طاقت اور استعداد رکھتا ہے ؟

ہاں اگر مسلمان قرآن کے پیغام کو سمجھ لیں اور اس کے تقاضے کو اپنی عملی زندگی کا نصب العین بنالیں تو آج بھی اپنی کھوئی ہوئی عظمت پا سکتے ہیں اس لئے کہ قرآن ان تمام تعلیمات ، احکام اور بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے جس کی آج کو کامیاب زندگی جینے کے لئے ضروری ہے ۔

آپ کی نظر میں وہ خطوط کیا ہیں جس سے عربی زبان خوب پھولے پھلے اور اس کا دائرہ اثر وسیع تر ہو ؟

عربی کے خالص قدیم ادب سے جو میری دلچسپی ہے اس کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ جو علوم اسلامی آج بھی کتابوں کے اندر بکھرے ہوئے ہیں اور جو قلمی نسخے صندوقوں میں بند ہیں انہیں پہلی فرصت میں یکجا کر دیا جائے آنے والی حوصلہ مند نسل کو تحقیقی ریسرچ اور بحث و تمحیص کا موقعہ مل سکے ۔

مغربی تہذیب نے انسان کی مادی ضرورتوں پر تکیہ کر کے ان کے اندرونی احساس و شعور سے چشم پوشی برتی ۔ جس کے نتیجہ میں انسانی مفہوم اور انسانیت سے خالی انسان پیدا ہو رہے ہیں اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی تہذیب نے اہم اور ضروری چیزوں کو چھوڑ کر مادی امور کے لئے نقشے بنائے ہیں ۔ اس لئے ایسے سنگین اور غیر اطمینان بخش حالات پیدا ہوئے ہیں جس کا سامنا پورے معاشرہ کو کرنا پڑ رہا ہے اور اس

یا وجہ جو دکوئی قلبی سکون نہیں ہے۔

ہمیں مغربی ملکوں میں اسلام کی طرف بڑھنے کا قابل ذکر رجحان نظر آرہا ہے آپ کی نظر میں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اسلام کی طرف بڑھنے کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ مغربی معاشرہ نے بڑی حد تک مذہب کے مفہوم کو کھو دیا ہے۔ وہ آج نہ یہودیت پر قائم ہے اور نہ نصرانیت پر۔ حالاں کہ مذہب اور عقیدہ سے چھٹے رہنا انسان کی فطرت ہے دوسرے یہ کہ اسلام ایک آسان دین ہے اور فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اسی لئے دوسرے مذاہب کے مقابل مغربی قومیں بڑی تیزی سے اسلام کی طرف پیش رفت کر رہی ہیں۔

مستشرقین کی نئی نسل میں ہمیں بڑا فرق محسوس ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ عربی کے ساتھ جو قرآن کی زبان ہے موجودہ نسل کا شغف فزوں تر ہے جب کہ قدیم مستشرقین کو اتنا نہیں تھا۔ کیا ہمارا یہ خیال آپ کی نظر میں صحیح ہے؟

آپ بالکل صحیح تجزیہ فرما رہے ہیں اگلی نسل کے پاس غور و خوض کے لئے صحیح اور نت نئے وسائل نہیں تھے لہ عربی زبان کی اہمیت اور خود عربی سے بے خبری نے انہیں بڑی زبردست غلطی میں چھوڑے رکھا۔ اس کے بالکس نئی نسل سمجھ دار اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ہے جو عربی زبان کے مراجع اور مصادر تک کو سیکھنے کے لئے خوب توجہ ہے۔ اس لئے ان کا حال پیش رو مستشرقین سے مختلف اور بدرجہا اچھا ہے۔

پچھلی صدیوں کے مستشرقین کی تحریروں کا موازنہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں اسلام دشمن اور اسلام کو نشانہ بنانے کی وبا عام تھی۔ جو آج نہیں ہے۔ کیا آپ کی نظر میں سیاسی مصلحت اور ریڈیو ٹی وی اس کی وجہ سے مستشرقین کے غور و فکر کے پیمانے ہی بدل گئے ہیں؟

اس ذہنی اور فکری تبدیلی کے دونوں اسباب ہیں جہاں انہیں پیٹرول اور سیاسی مفادات نے نرم انداز میں غور کرنے پر مجبور کیا وہیں وہ جان چکے ہیں کہ اسلام پیام امن ہے۔ اس کی تعلیمات ابدی ہیں اور انہیں یہ یقین ہے کہ اسلام اور اس کی تعلیم نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری انسانیت کے لیے خدا کی طرف سے رشد و ہدایت کا سامان ہے۔

بعض مستشرقین سمجھتے ہیں کہ حدیث محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سو سال بعد جمع کی گئی ہے اس لئے وہ صحیح نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ حدیث حضور کے دو سو سال بعد جمع ہوئی ہے اس لئے صحیح نہیں ہے۔ اس میں کوئی معقولیت نہیں ہے جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ کج فکر اور کجرو ہیں۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا صحیفہ صادقہ، حضرت علی اور حضرت جابر کے صحیفے۔ ہمام بن منبہ جسے ڈاکٹر حمید اللہ پیرس نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے اس دعویٰ کی روشن دلیل ہیں کہ حدیث عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہو چکی ہیں۔

گولڈ تھیسر اور اس کے شاگرد شاخت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

میں چونکہ فقہ کی باریکیوں سے ناواقف ہوں اس لئے اس کا جواب دینا مشکل ہے ۔

چونکہ اکثر مستشرقین یا تو فوجی ہیں یا پھر محکمہ سراغرسانی سے ان کا تعلق رہا ہے اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہو
حدیث اور علوم اسلامیہ کے لئے جو مرکز قائم کئے ہیں یا اس میں ان کی کوئی سیاسی غرض ہو گی یا پھر خارجہ پالیسی
اس میں بڑی حد تک رعایت ہو گی۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

یہ سچ ہے کہ مستشرقین کا پہلا بیچ (گروہ) انہی مقاصد کو پیش نظر رکھتا تھا۔ لیکن آج ان میں غیر معمولی تبدیلی آچ
علماء مسلم زعماء نے راویوں اور شخصیات کو پرکھنے کے بعد جو اصول جرح و تعدیل مرتب کیا ہے۔ مستشرقین ا
اختیار کرنے پر مجبور ہیں انہوں نے کوئی نئی راہ کیوں نہیں اختیار کی۔ کیا آپ کی نظر میں وہ ان اصولوں کو واقعی تسلیم

فن اسماء الرجال مسلمانوں کا انفرادی امتیاز ہے جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں اور کسی دور میں نہیں ملا
اور یہ سچ ہے کہ بار امانت کا یہ انتہائی لطیف اور نازک احساس ہے جس نے انہیں جرح و تعدیل کے ان اصولو
کو اپنانے پر آمادہ کیا ہے ۔

علوم حدیث پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کی صحیح اور علمی انداز سے تلاش کرنے کی بنا
مسلمانوں نے رکھی ہے ؟

جہاں تک میرا خیال ہے کہ اس فن میں مسلم علماء نے نہیں بلکہ یونانی اور افریقی علماء نے پہل کی ہے۔ جیسا کہ ان کی
کوششوں سے اندازہ ہوتا ہے۔ البتہ جرح و تعدیل کے ذریعہ انہوں نے اسماء الرجال کا جو فن ایجاد کیا ہے بلا شرکت
غیرے اس کا سہرا صرف مسلمانوں کے سر ہے۔ ہاں آپ کے اس خیال سے میں متفق ہوں کہ غور و فکر کے نت نئے
اور مشکل ترین فن کی دریافت مسلمانوں کا حصہ ہے ۔

آپ کی نظر میں مشرق و مغرب کے علماء کی تحقیق و ریسرچ اور غور و خوض میں بنیادی فرق کیا ہے ؟

اس سوال کا جواب دینا بھی مشکل ہے ہاں عمومی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی علماء نے مادی اور محسوس طریقو
کو اپنے نظریات کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ جب کہ مسلم علماء نے اسلامی آئین کی روشنی میں مقدمات ا
نتائج سے کام لیتے ہوئے ہر دعویٰ کی دلیل پیش کی ہے۔ مسلم علماء بڑی حد تک مادی دلائل سے بے نیاز ہیں۔

یہ بتائیے کہ کالج کے طلبہ فکر و نظر کی آزادی میں مستشرقین کے ساتھ ہیں یا ان کے نظریات کے مخالف ہیں ؟

وہ بالکل آزاد ہیں اگر ان کے پاس دلیل ہے تو جو چاہیں گے کہیں گے۔ اور جس پر تنقید چاہیں گے کریں گے۔ وہ
کسی کے پابند نہیں ہیں۔

برطانیہ کے میوزیم میں عربی اسلامی مخطوطات کی اتنی بڑی تعداد کی کیا منشا ہے اور ان کتابوں سے مغربی تہذیب

کوئی فائدہ پہنچے گا؟

ان مخطوطات سے فکر اسلامی کی کامیابی اس کی گہرائی اور پختگی کے ساتھ اس کی بے نیازی کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ فکر اسلامی ہی فکر انسانی ہے۔ علاوہ ازیں ان مخطوطات نے زندگی کے فکری، علمی، معاشرتی ماحول میں مغربی تہذیب کو بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ اور آج بھی مغرب کے اسکالر ہر موضوع پر کام کرنے کے لئے ان مخطوطات کی شدت سے ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

آپ کی اس رائے سے کتنے ہوں گے جنہیں اتفاق ہوگا؟

اتفاق کرنے والے تو کچھ ہی ہوں گے لیکن یہ واقعہ ہے کہ اکثر ریسرچ کرنے والے ان مخطوطات سے عملاً فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

افغانستان کے ساتھ روسی جنگ اور یلغار کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

یہ سوال تو خارج از بحث ہے تاہم افغانستان پر روسی حملہ قومی آزادی پر زبردست ظلم ہے۔ اور ان کی زمین پر ناجائز قبضہ ہے جس کی ہم مذمت کرتے ہیں افغانی عوام ہی اپنی زمین کے صحیح مالک ہیں۔ افغانستان کے املاک اور قدرتی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے افغانیوں کو آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔

آپ کے فکر و نظر اور انداز خیال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ بھی یہودیوں کے موجودہ موقف اور فلسطینیوں کے ساتھ ان کا جو رویہ ہے اس کے سخت مخالف ہیں۔ آپ نے گذشتہ سال یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں قضیہ فلسطین سے متعلق جو لکچر دیا ہے۔ اور فلسطینیوں کی حمایت میں جن تاثرات کا بڑی جرأت سے اظہار کیا ہے۔ ہم اس پر آپ کے شکر گزار ہیں۔ اور امید رکھتے ہیں کہ اس وقت اپنے قابل قدر کچھ اور مفید تاثرات کا اظہار فرمائیں گے۔

میں پھر یہ حقیقت دہرا رہا ہوں کہ فلسطینی ہی اپنے وطن میں رہنے کے مستحق ہیں جس طرح وہ ۴۸ء میں رہتے تھے آج بھی انہیں رہنے دینا چاہئے۔ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ان کے وطن میں کوئی سامراج وطن بن کر رہے یہ ظلم چاہے انسان برداشت کرے قدرت کبھی برداشت نہیں کرے گی۔

اُس کے ماتھے کا پسینہ خشک ہونے بھی نہ پائے
آپ محنت کا صلہ دے دیجئے مزدور کو

کاش ہر آجر کے ہو پیشِ نظر قولِ رسولؐ
حرفِ آخر مان لے دنیا اسی دستور کو

ہو رسولؐ اللہ کا کردار اگر خضرِ حیات
خود ہی آدابِ حیات آجائیں گے جمہور کو

شیخ نذیر حسین صاحب
مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی
لاہور

بحث و نظر
بسلسلہ نظام و نصاب مدارس

مدارسِ عربیہ کا نصابِ تعلیم

السلام علیکم۔ معارف (مارچ ۱۹۸۷ء) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زیرِ اہتمام "مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم" پر ایک مذاکرے کی کارروائی پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ مجھے بھی درسِ نظامی کی بعض چھوٹی اور بڑی کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہے۔ اس لئے میری گذارشات بھی پیشِ خدمت ہیں۔

جہاں تک تبدیلی نصاب کا تعلق ہے۔ میری ناقص رائے میں قرآن مجید اور صحاح ستّہ کا متن تا قیامت شامل نصاب رہے گا۔ ان کو مستثنیٰ کر کے باقی سب مضامین اور کتابوں میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ ان کے علاوہ فقہ میں ہدایہ نہایت جامع اور مفید ہے۔ اور صدیوں سے دینی مدارس کے نصاب کا جزو اعظم بنی ہوئی ہے۔ ادب کی تعلیم کے لئے دیوان الحماسہ ضروری ہے۔ قرآن مجید کے ادبی اور اعجازی محاسن کی تفہیم و تعلیم کے لئے دلائل الاعجاز[1] (عبدالقاہر الجرجانی) بے نظیر ہے۔ جو کہ کرد علی شامی کے الفاظ میں صحیفۃ من ادب العالی (ادبی شاہکار) ہے۔ اسی طرح اسرارِ شریعت میں شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ لاثانی ہے۔ موخر الذکر دونوں کتابیں ندوہ کے نصاب تعلیم کی مابہ الامتیاز کتابیں ہیں۔ لہذا ان کو بھی نصاب میں شامل رہنا چاہئے۔

درسِ نظامی میں غیر اہم اور ناقابلِ لحاظ مضمون علم التفسیر رہا ہے۔ جس میں صرف دو کتابیں جلالین اور بیضاوی شامل نصاب ہیں۔ جلالین کے الفاظ قرآن پاک کے الفاظ کے برابر ہیں جب کہ تفسیر بیضاوی کے اڑھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں (پاکستان) تو جلالین کے بعد بیضاوی کا صرف ایک پارہ تبرک کے طور پر پڑھا دیا جاتا ہے اور بس۔ حالاں کہ مغلیہ دور کے اوائل تک تفسیر مدارک التنزیل اور کشاف پڑھائی جاتی ہیں۔

حدیث کی تعلیم جماعتی مسلک کے تحت دی جاتی ہے۔ اور وہ بھی سرسری، درسِ حدیث میں مختلف فیہ فقہی

---

[1] دلائل الاعجاز کا نہایت عمدہ ایڈیشن مشہور فاضل محقق علامہ محمود محمد شاکر کی تصحیح و تحقیق سے مکتبہ الخانجی قاہرہ نے شائع کیا ہے جو اصحاب عربیت کے دیکھنے کی چیز ہے۔

مسائل (آمین، رفع یدین اور رکعت تراویح و تہجد کی تعداد کی تعیین وغیرہ) میں کئی کئی دن بحث جاری رہتی ہے۔ جب کہ اخلاقی مباحث کا سرسری ذکر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میری تجویز ہے کہ حدیث کی جو بھی کتاب پڑھائی جائے وہ کامل پڑھائی جائے۔ ممالک عربیہ کی طرح مختلف کتب حدیث سے مختلف ابواب منتخب کر کے ان کی تعلیم دی جائے۔ حدیث کے بلاغی پہلوؤں پر شاید ہی کسی کی نظر جاتی ہو۔ حالاں کہ خود عرب ادبا نے عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے لیے حدیث کے مطالعہ کو ضروری قرار دیا ہے۔

مشہور ادیب اور ناقد ادب ضیاء الدین ابن الاثیر نے مثل السائر میں لکھا ہے کہ اس نے صرف ملکہ انشاء حاصل کرنے کے لئے صحاح ستہ کا دس برس تک لگاتار مطالعہ کیا ہے۔ کرد علی شامی نے مذاکرات میں اپنی تعلیم کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس نے ادب آموزی کے لیے صحیحین (بخاری و مسلم) کا بارہا مطالعہ کیا ہے۔

اگر قدیم فلسفہ کی ایک آدھ معیاری کتاب (مثلاً ابن سینا کی النجاۃ وغیرہ) نصاب میں رہنے تو مضائقہ نہ ہوگا

عربی صرف نحو کی تعلیم میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔ اب عربی قواعد سیکھنے کے لئے فارسی کتب (صرف میر نحو میر فصول اکبری اور علم الصیغہ نامناسب ہیں۔ آج سے چونسٹھ برس پیشتر مولوی عبدالعزیز میمن مرحوم نے آداب العربیہ کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون مخزن (لاہور) میں لکھا تھا۔ کتب نحو کے بارے میں ان کے دلچسپ تاثرات ملاحظہ ہوں۔

"مجھے اپنے ملک کے نصاب تعلیم پر بھی کچھ کہنا ہے۔ سو یہیں کہے دیتا ہوں۔ بلاد عرب میں صرف و نحو کی تعلیم کے لئے بالتدریج یہ کتابیں مقرر ہیں۔ اجرومیۃ۔ لامیۃ الافعال، ابن عقیل شرح الفیۃ، قطر الندیٰ، یا شذور الذہب۔ اور اگر کسی کو خاص شوق ہوا تو التوضیح لابن ہشام و مغنی اللبیب۔ سبحان اللہ کیا خوب اور سادہ کتابیں ہیں۔ صاف الفاظ میں قواعد سمجھا کر مثالوں میں ان کو رواں کر دیتی ہیں۔ جو نحو کا اصل مقصد تھا۔ مگر ہمارے ہاں نوجوانا موتی کی موشگافیاں، بسم اللہ کی غیر متناہی ترکیبیں۔ کافیہ کے جملہ "الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد" میں مفرد کے صور سگانہ۔ مسئلۃ الکحل۔ مسئلۃ الحسن الوجہ۔ پھر شرح جامی کا مسئلہ حاصل و محصول، جو در حقیقت علم نحو ہی سے کچھ سروکار نہیں رکھتا۔ اعتراضات حقہ رضی بر کافیہ، جوابات بارد ۂ مولوی جامی، یہ سب نحو کے اعضائے رئیسہ قرار دیئے گئے ہیں جن سے اصل نحو کچھ ایسی غائب ہو گئی کہ سات آٹھ سال تک بھی طالب علم کو اس کا سراغ نہیں ملتا۔ پھر اب ایسا غوجی سے قاضی اور صدرا یا شمس بازغہ تک قریباً ان تیس درسی کتابوں کا ذکر کیجئے جو قریباً عمر گراں مایہ کے چھ سات سال لیتی ہیں۔ اور طالب علم کو اس

قائل بنا دیتی ہیں کہ کسی کا کہا نہ ماننے اور ہر بات میں بال کی کھال نکالنے کی کوشش کرے
اور اپنی زندگی کا حاصل اور مساعی غیر مشکور کا محصول انہیں چھ اعتراضوں یا جوابوں کو گردانے
جو اس نے اپنے استاذ یا کتاب کے برخلاف نہایت دقت آفرینی و دماغ سے تیار کئے
ہیں۔ (مخزن جولائی ۱۹۲۰ء)

میمن صاحب کے مذکورہ بالا مشاہدات و تجربات آج سے باسٹھ برس قبل کے ہیں جب کہ آج معیار تعلیم کی پستی
حال ہے کہ طلبہ کی بیشتر تعداد عربی کی عبارت کو صحت اعراب کے ساتھ نہیں پڑھ سکتی۔ ایک طالب علم
کا دیوان پڑھ لیتا ہے لیکن اسے پتا نہیں چلتا کہ متنبی کون تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا۔ اس کے کلام پر
تبصرہ بڑی اونچی بات ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء نے عربی ریڈریں لکھوا کر قابل تحسین کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان میں مولانا محمد رابع
کی منشورات ثانوی درجات میں عربی ادب کی تعلیم کے لئے نہایت مفید ہے۔ اگر اس کتاب میں چند صفحات
شعار (دیوان ابو العتاہیہ۔ دیوان امام شافعی اور کتاب الادب (حماسہ) سے انتخاب کے بھی شامل کرلئے
تو یہ کتاب جامع اور مفید تر ثابت ہو سکتی ہے۔

اس زمانے میں عربی میں تقریر و تحریر کی اہلیت اور ضرورت واضح ہے لیکن ہماری غرض مقصود تفسیر، حدیث
فقہ میں معرفت اور مہارت ہونی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے بیروت کے عیسائی ائمہ لغت و ادب
میں شیخو اور لوئیس معلوف اور میخائیل نعیمہ) کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ ہمارے ہاں تو مفتی محمد عبدہٗ، سید
رشید رضا، قاضی احمد محمد شاکر اور دوسرے علماء ہی مقبول و محترم رہے ہیں۔ عربی کا دامن قیام قیامت تک
م سے بندھا رہے گا۔ سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ طلبہ کو عربی اخبارات و رسائل میں ضرورت سے زیادہ انہماک
لئے علوم اسلامیہ کی امہات کتب یعنی حقیقی مصادر و مآخذ سے متعارف کرایا جائے اور ان میں علمی تحقیق کا شوق پیدا کیا جائے۔

سائنسی معلومات کی ضرورت جتنی آج ہے اس سے پیشتر کبھی نہ تھی اس لئے طلبہ کو
بھی واقف کرانا ضروری ہے یعنی وہ سائنسی معلومات جن کی روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔

عربی کی اعلیٰ تعلیم صرف ان طلبہ کو دی جائے جو اس کے اہل و قابل ہوں۔ عام طلبہ کو قرآن مجید کا ترجمہ۔ ریاض الصالحین
یک دو فقہی کتابیں پڑھا کر فارغ کر دیا جائے۔ مہنگائی کے اس دور میں بدشوق اور کند ذہن طلبہ کی بھیڑ لگانی
ور ہے۔ کتابی تعلیم دینے کے علاوہ طلبہ کو تہذیب نفس کی تعلیم دی جائے۔ انہیں سادہ زندگی، محنت و مشقت
دی بنایا جائے۔ اور انہیں سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں شرکت سے روکا جائے +

Adarts SUA-4/84

شاہ بلیغ الدین صاحب

دُعائے دِل

حضرت عُتبہ بن غزوانؓ

زمین صاف ہوگئی تو مسلمانوں نے جنگل سے بانس توڑے۔ کچھ کے ستون کھڑے کیئے کچھ سے چھپّر بنایا۔ یوں مکّے، مدینے سے کالے کوسوں دُور اللہ کے حضور سر جھکانے کے لیئے ایک مسجد بنالی۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتوحہ علاقے میں بنائی جانے والی یہ پہلی مسجد ہے۔ یہ مسجد حضرت عُتبہ نے بنائی۔

حضرت عُتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونچے پورے قد کے آدمی تھے۔ مردانہ وجاہت کا بڑا اچھا پیکر! تیر چلانا خوب جانتے تھے اور اُن لوگوں میں شمار ہوتے تھے جن کی تیر اندازی کا دُور دُور شہرہ تھا۔ بدر اور اُحد میں حضرت عُتبہ کے جوہر خوب کھلے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اُن سب لڑائیوں میں آپ نے شرکت کی جن میں حضور اکرمؐ نے حصّہ لیا۔ جہاد کا سلسلہ مرتے دم تک جاری رہا۔ حضرت عُتبہ سابقون الاوّلون میں سے ہیں۔ دو مرتبہ ہجرت کا شرف حاصل ہوا پہلے حبشہ گئے پھر مدینۃ النبیؐ!

۱۴ ہجری میں حضرت عمرؓ نے ایک فرمان جاری کیا تھا۔ یہ حضرت عُتبہ بن غزوانؓ کے نام تھا جو سپہ سالار بن کر جا رہے تھے۔ امیر المومنین کا ارشاد تھا کہ —— خدا کی مہربانی اور مدد پر بھروسہ کرکے عرب کے آخری سرے اور سلطنتِ عجم کے قریب ترین حصّے کی طرف کوچ کرو۔ پرہیزگاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین میں جا رہے ہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے!

جو مجاہد حضرت عُتبہ کے ساتھ اس موقع پر جا رہے تھے، اُن کے علاوہ یمن کے والی علاءالحضرمی کو لکھا گیا کہ عُرفجہ بن ہرثمہ کو اُبلّہ بھیج دیا جائے۔ دجلہ کا ساحلی علاقہ حضرت عُتبہ نے فتح کر لیا۔ اُبلّہ خلیج فارس کی مشہور بندرگاہ تھی۔ یہ عمّان، بحرین، ہند اور چین کے سمندری راستے کا مرکز سمجھی جاتی تھی۔ فتوحات کے بعد حضرت عتبہ یہاں کے انتظامات سدھارتے پھر رہے تھے کہ اُلحزیبہ نامی جگہ آ ٹھہرے اور حضرت عمرؓ کو ایک خط لکھا کہ۔

مسلمانوں کے لیئے ایک ایسا مقام ضروری ہے جسے سرمائی قیام گاہ بنایا جا سکے۔ اور جب وہ لڑائی سے فارغ ہوں تو وہاں آرام کر سکیں۔ یہ رائے حضرت عمرؓ کو بہت پسند آئی۔ اسلامی سلطنت پھیل رہی تھی۔ دشمنوں پر رعب داب کے لیئے ایسی فوجی چھاؤنیوں کی بڑی ضرورت تھی۔ امیر المومنین نے جواب بھیجا —— اپنے ساتھیوں

کو ایسی جگہ اتارو جہاں پانی ہو۔ سرسبزی اور شادابی ہو۔ حضرت عتبہ نے تلاش شروع کی۔ انہیں ایک شاداب گھنے جنگل کا پتہ ملا۔ جس کے اطراف میں پانی کے چھوٹے چھوٹے تالاب تھے۔ اُن میں بانس اُگے ہوئے تھے۔ یہ جگہ فارس کے ایک کنارے تھی۔ اُبلّہ سے بہت قریب! اس کا محلِ وقوع حضرت عمرؓ نے بھی پسند کیا۔ اور یہ مسلمانوں نے اپنا ایک شہر بسایا۔ یہ مسلمانوں کا بسایا ہوا پہلا شہر ہے۔ اسے بصرہ نام دیا گیا۔
ابومخنف کا کہنا ہے اسے بصرہ اس لئے کہتے تھے کہ یہاں کنکر اور سیاہ پتھر تھے۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام اس لئے رکھا گیا کہ یہاں کی زمین نرم تھی۔ شہر کا نقشہ اس طرح بنایا گیا کہ بیچوں بیچ مسجد کی جگہ رکھی گئی۔ ا یں مسلمانوں نے اپنے خیمے نصب کئے۔ پھر گھاس پھوس کی جھونپڑیاں بنالیں۔ بانس کا یہ شہر اس زمانے ویران ہو جاتا جب مجاہد لڑائیوں پر جاتے۔ لوٹ کر آتے تو پھر وہ بانس کے چھپر کھڑے کر لیتے۔ کچھ ہی د میں تجربہ ہوا کہ ذرا غفلت ہوئی اور بانس آگ پکڑ لیتے تھے۔ جب بھی آگ لگتی پوری بستی جل کر خاکستر ہو جا یہ اطلاع دارالخلافہ بھجوائی گئی۔ تو حضرت عمرؓ کی طرف سے اجازت آئی کہ ان کی جگہ اینٹ اور مٹی کے مہ لئے جائیں۔ اسلامی فنِ تعمیر میں اس شہر کی بڑی اہمیت ہے اس لئے کہ یہ مسلمانوں کا بسایا ہوا پہلا شہر ہے ہندسی اصولوں پر یہ شہر بسایا گیا تھا۔ لکیریں سیدھی تھیں۔ زاویے قائمہ تھے۔ درمیان میں ایوانِ حکومت مسجد تھی۔ مختلف قبیلوں کے لئے مختلف محلے بنائے گئے تھے۔ ایک خیال ہے کہ جس وقت یہ شہر بسایا گ وقت حضرت عتبہؓ کے ساتھ آٹھ سو مسلمان تھے۔

بلاذری کا خیال ہے کہ بصرے کی بنیاد ۱۴ ہجری میں پڑی۔ دوسری رائے ہے کہ ۱۸ ہجری میں یہ بسایا یعنی حضرت عمرؓ کی خلافت کے چوتھے سال۔ کوفے کی بنیاد بھی اسی زمانے میں رکھی گئی۔ لیکن پہلے بصرہ آباد ہو اصمعی کی روایت فتوح البلدان میں ہے۔ یہیں عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ پیدا ہوئے۔ یہ پہلا بچہ تھا جو بصرے میں مسلمانوں کی علمی، ادبی تاریخ میں اس شہر کی بڑی اہمیت ہے۔ لغات، ادب اور فقہ کے بڑے بڑ مرکز یہاں قائم ہوئے۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کو اس شہر نے خوب پروان چڑھایا۔ مدینے کے انصار او عرب کے بہت سے لوگ نقل وطن کر کے یہاں آ بسے تھے۔ اُن کے یہاں آباد ہو جانے سے سلطنتِ عجم کے کرنے میں بڑی مدد ملی۔

کوئی چھ مہینے تک حضرت عُتبہ یہاں کے والی رہے۔ پھر حج کے موقع پر مکہ معظمہ گئے۔ وہاں حضرت سے ملاقات ہوئی تو اُن سے کہا کہ ——— آپ میرا استعفا قبول کر لیں۔ یہ اقتدار کے تماشے مجھ سے نہ ہ پرہیزگار آدمی تھے دنیاوی لذتوں سے بے نیاز تھے۔ اس لئے جاہ و جلال سے دور بھاگتے تھے۔ انہیں و اچھی طرح یاد تھے جب شعب بنو ہاشم میں درختوں کے پتے کھا کر زندگی گزارنی پڑتی تھی۔ حال یہ ہو گ

کہ ان کی آنتوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔

ایک بار بصرہ کی جامع مسجد میں امیر صوبہ کی حیثیت سے خطبہ دیا۔ تو یہ بات بتائی اور کہا کہ ایک بار جب جسم پر کپڑے تار تار ہو گئے تھے تو ایک چادر مجھے ملی۔ اس کے دو حصے کئے۔ ایک کی میں نے تہبند بنائی، ایک سعد کو دے دی ــــ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کو! کہتے تھے ــــ اب وہ دن آئے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے ان کا استعفا منظور نہ کیا اور مجبور کیا کہ واپس بصرہ جائیں۔ امیر المومنین کیوں نہ مجبور کرتے۔ ایسے عاملین حکومت کو تو وہ ڈھونڈتے رہتے تھے۔ مسند امام احمد میں ہے حضرت عتبہ کہتے تھے

دوستو! میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ حقیر ہونے کے باوجود اپنے کو بڑا سمجھوں۔ نبوت ختم ہو چکی ہے انجام یہ ہو گا کہ اقتدار کے مراکز قائم ہوں گے اور تم بہت ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے۔

حضرت عتبہؓ نے اپنی خدمت چھوڑ دینے کی جو درخواست کی تھی جب اسے انہوں نے قبول نہ کیا تو اُسد الغابہ میں ہے کہ سفر کا آغاز کرتے ہی راستے میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ بارِ الہا ــ تو مجھے بصرہ نہ پہنچا! دن پر دن منزلیں گزرتی گئیں۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا کا کوئی اثر دیکھنے میں نہ آیا۔ ابن سعد اور ابن اثیر کی روایتیں جوڑ کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کچھ دنوں بعد پیٹ میں درد اٹھا۔ معدن بنی سلیم تک پہنچے تھے کہ حالت بگڑی ایسی کہ اونٹ پر سے گر پڑے۔ وہ تکلیف اور یہ صدمہ ۵۷ برس کی عمر تھی۔ گرے تو پھر نہ اٹھے۔ خدا نے ان کی سُن لی اور بصرہ ہمیشہ کے لئے اُن سے چھوٹ گیا ؀

بقیہ : کامیاب استاد

اور حسب ضرورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا کریں اور بوقت ضرورت زجر و توبیخ (سزا) سے بھی کام لیا کریں۔

خصوصاً صلحاء کا حلیہ بنانا۔ نماز با جماعت۔ ابتدا بالسلام اور جواب سلام کی خود بھی پابندی کریں اور ان سے بھی پابندی کرائیں۔

۳۔ اساتذہ اپنے مطالعہ کے وقت اپنے ذہن میں ہر ہر سبق کی ایسی ترتیب قائم کر لیا کریں جس سے طلبہ کے ذہن بآسانی قبول و ضبط کر سکیں۔ اور پڑھاتے وقت وضاحت اور سہولت کا خاص طور پر لحاظ رکھا کریں الزامی جواب کے بعد تحقیقی جواب بھی ضرور دیا کریں۔

۴۔ اگر طالب علم کوئی معقول بات کہے تو اسے مان لیں۔ اگرچہ اپنی تقریر یا تحقیق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ مخواہ اپنی بات کی پیچ نہ کریں۔

پروفیسر حافظ سید خالد محمود ترمذی

عورت کی وراثت

اور

شہادت کا مسئلہ

پاکستان ٹائمز میں ایک پروفیسر صاحب کا ایک مضمون "کیا عورتیں مذہب اور عقل میں کم ہیں؟" نظر سے گذرا۔ جس میں صاحب مضمون نے عورت کی نصف دیت، میراث میں آدھے حصے اور ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی شہادت پر خامہ فرسائی کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں عورت کی شہادت اور میراث میں حصہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہے۔ یہ عقیدہ سراسر قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ لیکن اسے اس انداز میں بار بار دہرایا اور بیان کیا گیا ہے کہ قدامت پرست علماء کا تو کہنا ہی کیا روشن خیال علماء دین تک بھی اس کو صحیح تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ اور کسی نے بھی قرآن حکیم سے اس کی صحیح اور تفصیلی صورت حال معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال جیسی شخصیت بھی اسی نظریے کی موید ہے۔"

موصوف کا نکتہ نظر یہ ہے کہ قرآن کی رو سے مرد اور عورت میراث میں برابر کے شریک ہیں بلکہ ایک جگہ تو موصوف نے ہاتھ یعنی قلم کی صفائی کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ قرآن کی رو سے عورت کا حصہ مرد سے دگنا ثابت کر دکھایا ہے۔ ان کی فن کاری بالفاظ دیگر دیدہ دلیری ملاحظہ ہو۔

سورہ نساء کی آیت ۱۱ کا نامکمل ترجمہ پیش کر کے اپنے اس باطل دعوے کو کیسے صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل فرمائی ہے۔ ترجمہ حسب ذیل ہے:-

> "تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے اور مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر وہ صاحب اولاد ہو۔۔۔ اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ اس کے (وارث) ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔۔۔"

پروفیسر صاحب نے یہاں تک ترجمہ دیا ہے اور میراث کی تین صورتیں قرار دی ہیں۔ پھر بزعم خویش مندرجہ بالا تیسری صورت سے جہاں ماں کو تیسرا حصہ دیا گیا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ باپ کو بدستور چھٹا حصہ ملے گا۔ جیسا کہ اس سے قبل صورت نمبر ۲ میں مذکور ہوا۔ بلکہ اپنے دوسرے مضمون بعنوان "حضرت حوا کی پیدائش" میں جو پاکستان ٹائمز کی ۲۲ نومبر کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے "باپ کا حصہ بدستور چھٹا رہے گا" اور یہ جملہ اس انداز سے بڑھایا ہے کہ کم علم قاری اسے بھی آیت کا حصہ سمجھے۔ حالاں کہ سب مفسرین نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ج

ترجمہ۔ اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ اس کے (وارث) ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا (اور باقی باپ کو ملے گا)

چونکہ آیت میں ماں باپ دونوں کی وراثت کا ذکر ہے۔ تو جب ماں کا حصہ ایک تہائی ہوا تو صاف ظاہر ہے باقی دو تہائی باپ کا ہوگا۔ کیونکہ اولاد تو اس کی ہے نہیں اور دو تہائی ایک تہائی سے دگنا ہوتا ہے لہذا باپ کا حصہ دگنا بنتا ہے نہ کہ ماں کا۔ یعنی مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوا۔ نہ کہ عورت کا مرد سے دگنا۔ جیسا کہ پروفیسر صاحب کا خیال خام ہے۔ یعنی یہ ایک نئی دریافت ہے۔ جو کسی فقیہہ، کسی عالم بلکہ کسی عامی نے بھی نہ پڑھی نہ سنی ہو گی۔ کہ میراث کی ایک شکل ایسی بھی ہے جس میں عورت کو مرد سے دگنا حصہ قرآن نے دیا ہے۔ یا للعجب!

آگے چل کر موصوف نے سورۂ نساء آیت ۱۲ کا حسب سابق نامکمل ترجمہ دے کر میراث میں عورت کا حصہ مرد کے مساوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اور اگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا"۔ ۴۔

پوری آیت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہاں کلالہ کی میراث کی ایک صورت یعنی اخیافی بھائی بہن بھائی کے حصوں کا ذکر ہے۔ لیکن موصوف نے حسب معمول علمی خیانت سے کام لے کر قرآنی آیات کا صرف اسی قدر ترجمہ اور وہ بھی سیاق و سباق سے جدا کر کے پیش کیا ہے جس سے ان کا مطلب حل ہوتا ہے۔ موصوف نے آیت کے پہلے حصے کو دیدہ دانستہ نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ آیت کے شروع میں مرد کا حصہ دگنا بیان ہوا ہے اور وہ ان کے مزعومہ دعوے کو غلط ثابت کرتا ہے۔ آیت کا ترجمہ اس طرح ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ
وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ
وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ط وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ج

ترجمہ۔ اور جو کچھ تمہاری بیویاں (ترکے میں) چھوڑ جائیں اس میں سے نصف کے تم حقدار ہو بشرطیکہ ان سے اولاد نہ ہو۔ اگر ان کے اولاد ہے تو تمہیں جو کچھ وہ چھوڑیں اس کا چوتھائی ملے گا۔ (یہ تقسیم) مرنے والی کی وصیت کی تعمیل اور اس کے قرضے (کی ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے) اور ان کے لئے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اس کا چوتھائی حصہ ہے۔ بشرطیکہ تمہارے اولاد نہ ہو۔ اور اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کے لئے تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ہوگا۔ (یہ تقسیم) تمہاری وصیت کی تعمیل یا قرضے (کی ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے)

اور کوئی مرد یا عورت ہو (جو ترکہ چھوڑ جائے) اور وہ کلالہ ہو یعنی اس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا اور دوسری ماں سے اس کے بھائی یا بہن ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

آیت کے پہلے حصے میں زوجین کی میراث کو بیان کیا ہے کہ مرد کو اس کی عورت کے مال میں سے ½ یعنی آدھا مال ملے گا۔ اگر عورت کے کچھ اولاد نہ ہو۔ اور اگر عورت کے اولاد ہے خواہ ایک ہی بیٹا یا بیٹی ہو اور اسی مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے تو مرد کو عورت کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا۔ قرض اور وصیت کے بعد۔ اسی طرح عورت کو اس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا۔ اگر مرد کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اگر مرد کے اولاد ہے خواہ اسی عورت سے یا دوسری عورت سے تو عورت کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ یعنی مرد اور عورت کے حصوں میں وہی دو اور ایک کی نسبت ہے ۲ : ۱۔

زوجین کی میراث کے بعد اخیافی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو صرف ماں میں شریک ہوں۔

اصول یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے ہوئے تو بھائی اور بہن کو کوئی حصہ نہیں ملتا۔ ہاں اگر باپ اور بیٹا نہ ہو تو بھائی اور بہن کو میراث ملتی ہے۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہیں۔ سگے جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں۔ ان کو عینی کہتے ہیں۔ وہ سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہوں ان کو علاتی کہتے ہیں۔ اور وہ سوتیلے جو صرف ماں میں شریک ہوں ان کو اخیافی کہتے ہیں۔ آیت کے آخر میں اخیافی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے۔ اخیافی بھائی اور بہن کا حصہ برابر ہے۔ اور یہ ایک استثنا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ میراث کی ہر صورت میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہے جیسا کہ سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیات نمبر ۱۱ اور ۱۲ کے مطالعہ سے واضح ہے۔

غالباً موصوف کی نظر سے سورہ نساء کی آخری آیت نہیں گذری۔ جس میں کلالہ کی میراث کی دو اور صورتوں

یعنی بیٹی اور بیٹا نیز بھائی بہن کے حصص کا ذکر ہے جن کی رو سے مرد کا حصہ عورت سے دُگنا بنتا ہے۔ ارشاد باری ہے :-

يَسْتَفْتُونَكَ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ
لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ
يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ
وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ

ترجمہ:- (اے پیغمبر!) لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں (یعنی ایسے آدمی کی میراث کے بارے میں جس کے نہ تو باپ ہو نہ بیٹا) حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے! اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ دادا) اور اس کی بہن ہو تو جو کچھ مرنے والا چھوڑ مرا اس کا آدھا بہن کا حصہ ہو گا۔ اور اگر بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس (کے سارے مال) کا وارث وہ بھائی ہی ہو گا۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں (یا دو سے زیادہ) تو انہیں ترکے میں سے دو تہائی ملے گا۔ اور اگر بھائی بہن (ملے جلے ہوں) کچھ مرد کچھ عورتیں تو پھر (اسی قاعدے سے حصے تقسیم ہوں گے کہ)

مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصّہ

موصوف نے اپنے چھ دسمبر کے مضمون میں اسی بے بنیاد دلیل کو تیسری بار دہرایا ہے۔ اپنے مضمون "پیغمبر کا نظام عدل" میں لکھا ہے :-

"مقدمات کی تیسری وجہ نزاع بھی اور ہے۔ اسلام سے قبل عورت کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا اسلام نے اسے مرد کے برابر مقام عطا کیا۔ اسے اپنے رفیقِ حیات کو چننے اور چھوڑ دینے کے یکساں حقوق دیئے مگر ایسے علماء بھی ہیں جو آیۂ میراث (سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱) سے یہ نتائج اخذ کرنے پر مصر ہیں کہ عورت کا مقام مرد کے مقابلے میں نصف ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کا یہ تصور متعلقہ آیت کے نامکمل مطالعہ کا غماز ہے۔ اس میں تین قسم کی میراث کا ذکر ہے۔ بیٹی کی صورت میں بے شک یہ مرد سے آدھی ہے لیکن ماں اور بہن کی صورت میں اسے باپ اور بھائی کے برابر حصہ دیا گیا ہے۔ اور ایک صورت میں تو جب میت کے کوئی اولاد نہ ہو ماں (عورت) کا حصہ باپ (مرد) سے دگنا مقرر کیا گیا ہے۔"

یعنی ایک ہی بات اور وہ بھی غلط کی بار بار تکرار تو آپ کر رہے ہیں اور مطعون علماء کو کرتے ہیں۔ گویا دل کے اس اصول پر کون عمل کر رہا ہے؟ "جھوٹ کو اس طرح بار بار دہراؤ کہ سچ نظر آنے لگے"۔ میراث کے اہم مسئلے کو "بخوبی" حل کرنے کے بعد موصوف عورت کی گواہی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں فرماتے ہیں :-

"یہی حال عورت کی گواہی کا ہے۔ قرآن میں ایسا کوئی اصول نہیں بیان ہوا جس کی رو سے دو عورتوں

کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی۔ جس سلسلے میں علماء جس آیت کا حوالہ دیتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

واستشھدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ (سورۃ بقرہ)

اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ اور اگر مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد کے بدلے) دو عورتیں کافی ہوں گی جنہیں تم شہادت کے لیے پسند کرو کہ (اگر) ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ سورہ بقرہ آیت (۲۵۲)

موصوف ترجمہ کے بعد فرماتے ہیں کہ آیت میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ دوسری عورت کا کام تو اتنا ہے کہ وہ عدالت تک پہلی عورت کے ہمراہ جائے گی۔ شہادت ایک عورت ہی دے گی کیونکہ عدالت میں مردوں کی اکثریت کے باعث اکیلی ایک عورت کے طبعاً شرمیلا ہونے کی وجہ سے گھبرا جانے کا احتمال ہے۔

شیخ ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں اس اشکال کو یوں رفع کیا ہے۔

آیت کریمہ میں لفظ "احداھما" کو مکرر کیوں کیا۔ " ان تضل احداھما فتذکر الاخریٰ" فرما دیتے اگر ایسا ہوتا تو صرف ایک عورت کی شہادت ہوتی۔ اسی طرح "فتذکرھا الاخریٰ" ہوتا تو بیان ایک ہی طرف سے ہوتا کیونکہ یاد رکھنے والی یاد دلا دیتی۔ احداہما کے تکرار سے یہ فائدہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کو بتائیں شہادت کے کچھ حصہ کو ایک یاد دلاتے اور کچھ حصہ دوسری (پہلی عورت کو) یاد دلاتے یعنی دونوں ایک دوسری کو یاد دلائیں۔

کیا موصوف کی نظر سے امام شافعیؒ کی والدہ کا وہ واقعہ نہیں گذرا جس میں قاضی نے امام شافعیؒ کی والدہ کو الگ بیان لینے کے لئے بلایا تو موصوفہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی سہیلی ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے اس لیے میں بیان دیتے وقت اسے اپنے ساتھ رکھوں گی۔ آپ کو میرا یہ حق سلب کرنے کا حق نہیں۔

موصوف کو غالباً یہ بھی علم نہیں ہے کہ عورت کی گواہی بھی صرف مالی معاملات اور نکاح طلاق کے معاملات میں قابل قبول ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

واستشھدوا شہیدین من رجالکم

مذکورہ آیت کی رو سے حدود اور قصاص کے معاملات میں تو شریعت کے نزدیک عورت کی شہادت قابل قبول ہی نہیں۔ ورنہ موصوف اور رواویلا مچاتے۔ کہ عورت کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ کوئی ظلم نہیں ہے۔ یا اس سے عورت کا مقام گھٹتا نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک رعایت ہے،

امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

اہلِ سُنّت کے نجومِ ہدایت

لیسفر صباح الصدق والحق والهدیٰ ‏— لیعلُ الصوابُ المحض ویلمن الدجیٰ

(ہدایت اور حق اور صدق کی صبح چمکے اور خوب روشنی ہو جائے — اور بلند ہو صواب خالص اور اندھیرا چھپ جائے)

لیفرح اولو الابصار بالنور ساطعاً — لیحزن جهولٌ ابغض النور بالعمیٰ

(اور چڑھنے والے بلند ہونے والے نور سے آنکھوں والے خوش ہوں — اور جہول جس نے نور کو مبغوض رکھا اپنے اندھے پن سے غمگین ہو)

فما ابصرت عین مثیلاً لشمسنا — وشیخ الوریٰ المولیٰ الرشید بما علا

(کسی آنکھ نے ہمارے شمس کی مثال نہیں دیکھا — یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو جو بلند مقام عطا ہوئے ہیں)

فلم تسمع الاسماع فیما مضیٰ ولا — یاتی الزمان مثل ما اوتی العلیٰ

(کانوں نے زمانۂ ماضی میں کوئی آپ جیسا نہیں سنا اور — جو بلند مقام آپ کو عطا ہوئے ہیں انکا مثل آئندہ بھی زمانہ پیدا نہیں کریگا)

امین مسکین جدّد الدین فی البلیٰ — واضحیٰ فریداً فی الزهادة والتقیٰ

(آپ بڑے امانتدار بڑے مرتبہ والے جنہوں نے ایسی مصیبتوں میں دین کی تجدید کی — آپ زہد اور تقویٰ میں فرید واقع ہوئے ہیں (یعنی یکتا))

واخلص فی نصح البریة هادیا — الی هدی خیر الناس مثله ما اتی

(مخلوقات کی خیر خواہی میں آپ مخلص ہادی ہیں — اور حضرت خیر الناس ﷺ کے طریقہ مبارک کی طرف کوئی گذرے ہوئے زمانہ میں بھی آپ)

تفرس اهل الدین والعلم انّه — امام المهدی شیخ الوریٰ کهف ملتجیٰ

(تمام اہلِ علم اور دین نے یہ تاڑ لیا تھا — کہ آپ ہدایت کے امام ہیں مخلوقات کے شیخ ہیں اور پناہ پکڑنے کے غار ہیں)

ومن فیه غش من نفاق یسوءه — ویلوی فی احشائه النار والجویٰ

(جس کے دل میں نفاق کا کھوٹ ہے وہ آپ کو بُرا جانتا ہے — اور اسکی انتڑیوں میں آگ ہے اور جلتا ہے اور آپ سے منہ موڑتا ہے)

فمت ایها المردود غیظاً وحرقه — فلا یقبل المغشوش عند اولی النهیٰ

(سو اے مردود اپنی جلن اور غصہ سے مر جا — کیونکہ داناؤں کے نزدیک کوئی کھوٹی پونجی قبول نہیں ہوتی)

هو البحر فيضاً والسحاب افاضة

آپ تو اپنے فیض میں سمندر کی طرح ہیں اور اپنے اضافہ میں بادل کی طرح ہیں

هو ذو النور حقا والضياء محققا

آپ تو حق یہ ہے کہ نور ہیں اور محقق یہ ہے کہ آپ نور کا پھیلاؤ ہیں

هو الخير محضا للبرية كلها

آپ خیر محض ہیں کل مخلوقات کے لئے

ويتلوه نور الشرق والغرب شيخنا

آپ کے تابع ہیں ہمارے شیخ جو مشرق و مغرب کے نور ہیں

ومنبع انهار العلوم وفيضها

آپ علوم کی نہروں کا منبع ہیں اور علوم کا فیضان ہیں

ومجمع البحرين الحديث وفقهه

آپ مجمع بحرین ہیں حدیث وفقہ میں

كريم حليم في حمائد جمة

آپ کی تمام خصلتیں محمود ہیں آپ کریم ہیں آپ حلیم ہیں

هو البحر لو بحر من النور نابع

آپ نور کا سمندر ہیں اگر کوئی سمندر نکلتا ہے

فكافاه ربي بالجميل واجزله

سو آپ کو میرا رب نہایت عمدہ جزا دے

ويتلوه مولانا الخليل المجاهد

آپ کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ہیں جہاں کہیں

حمى السنة البيضاء عن كل بدعة

آپ نے سنت بیضا کو ہر بدعت سے محفوظ رکھا۔

فمن طيبة طاب ومن جنده تبا

اپنی پاک طبیعت کی وجہ سے پاک ہیں و[illegible] کی وجہ سے دوسروں پر تصرت بھی [illegible]

فمن كامل المرأى ومن كامل العمى

آپ کا دیکھنا کس قدر کامل ہے اور اندھے کیلئے [illegible]

جزاه الكريم البر في خير ما جزى

آپ کو جزائے خیر دے رب [illegible]

منار الهدى محمود خلق به هدى

ہدایت کی روشنی ہیں یعنی حضرت محمود [illegible]

حديثا وفقها في الروايات مقتدى

آپ علم حدیث اور فقہ کی روایتوں میں مقتدی [illegible]

ولا يبغيان اذ به الري للصدى

چونکہ آپ ہی سے پیاسے کو سیرابی ہوتی ہے اس لئے حدیث کو سیکھنے کیلئے کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہیں

سري ولي شيخ دين ومقتدى

آپ سردار ہیں اور دین کے شیخ ہیں اور مقتدی

هو النور لو نور له القطر والندى

اگر نور کے لئے بارش اور سخاوت ہو تو آپ نو[illegible]

وجازاه عنا جائز احيطة المنى

اور آپ کو بدلہ دے آرزوؤں کے احاطہ کے م[illegible]

باعلاء دين الله في كل ما بدى

اللہ کے دین کے بلند کرنے کا موقع ہو تو آپ دین کے خوب ظاہر کر[illegible]

وجلى منار الدين كالشمس في الضحى

جیسا کہ سورج چمکتا ہے چاشت کے وقت میں تو دین کے منار کو روشن کیا

فشمس ولا کالشمس اذ ھی تغرب

سورج ہیں لیکن یہ نکلنے والا سورج نہیں

نکہ یہ چھپ جاتا ہے۔

کریم سجایا فی مناقب جمۃ

اپنے سارے مناقب میں کریم خصلتوں والے ہیں

سنی المعالی شیخ سمۃ وسنۃ

چمک اور خصلتوں میں نہایت بلند چمکانے والے

شیخ ہیں

فابقاہ ربی مرۃ دھر مربیا

پ کو میرا اللہ ایک زمانے تک مربی رکھے

ھو الرکب خل آثارھم وامش اثرھم

ہی لے چلنے والے یہ جماعت ہادیوں کی جماعت ہے،

ہذا تو ان کے پیچھے پیچھے چل

وبدر ولا کالبدر اذ ھو للھدیٰ

آپ آرزوؤں کے لئے بدر کی طرح ہیں مگر چودھویں رات کے

چاند کی طرح نہیں کیونکہ وہ تو ایک مدت مقررہ کے لئے ہوتا ہے

جمیل المزایا فی رشاد ومھتدیٰ

آپ رہنمائی و ہدایت میں بہت عمدہ مزیتوں والے ہیں

جلی المجالی خیر من کان مرتجیٰ

آپ بہ کوئی میسر والا ہو اس کے لئے واضح

قدر والے ہیں۔

جمیل الھدی مھلکا جملۃ العدیٰ

اور دشمنوں کے لئے ہلاکت کا باعث بنیں اور

جماعتوں کے لئے نہایت عمدہ ہادی ہیں

فھذا الصراط المستقیم الی الرضیٰ

کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا تک پہنچنے کے لئے یہی

سیدھی راہ ہے۔

مولانا حبیب الرحمان صاحب لیکچرار
شعبہ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی

ایک کامیاب اُستاذ اور معلّم کے خصوصیات و فرائض

ایک معلم کو اس وقت تک اپنے پیشے کے ساتھ دلچسپی اور محبت پیدا نہیں ہوسکتی جب تک اسے علم کے ہمہ گیر فوائد کا علم نہ ہو اس لئے میں پہلے علم کے متعلق کچھ عرض کروں گا اس کے بعد معلم کی خوبیاں اور اس کے فرائض بیان کروں گا۔

علماء علم کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

الصورۃ الحاصلۃ عند العقل • مشہور زمانہ فلسفی سپنسر کہتا ہے تعلیم کے معنی ہیں اندرونی حالات کا بیرونی حالات سے مطابقت کرنا۔

مشہور برطانوی مفکر تھامس لکھتا ہے :-

تعلیم نام ہے افراد کے ماحول کے اثرات کا جس کی وجہ سے معلم کے عادات واطوار اس کے طرزِ عمل اور اس کے خیالات میں ایک پائیدار تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔

ایک بات جس پر سب مفکر متحد معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ تعلیم سے بچوں کی خفیہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔
علم کی اہمیت کا اندازہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے لگایا جاسکتا ہے جس میں حضور اکرمؐ فرماتے ہیں :- مَنْ یُّرِدِ اللہ بہٖ خیراً یُفَقِّہْهُ فی الدّین

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ و تبارک بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔
علم ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ تمام نیک اعمال کا سلسلہ موت پر ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن علم کا سلسلہ موت کے بعد بھی بدستور جاری رہتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ الا من صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ۔

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین اعمال ایسے ہیں جو منقطع نہیں ہوتے۔ صدقہ جاریہ۔ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو اپنے والدین کو دعائیں دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کے متعلق ارشاد فرمایا :-

کہ العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اسلام میں شہید کے لہو کی بہت بڑی اہمیت ہے لیکن علم کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے۔ شہید کے لہو سے قومیں بنتی ہیں لیکن علم شہیدوں کو بناتا ہے۔ علم شہید پرور ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے۔

مسجد نبوی میں دو ٹولے تشریف فرما تھے۔ ایک جماعت متعلمین کی تھی اور ایک ذاکرین کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں اچھی (جماعتیں) ہیں۔ لیکن ایک دوسری سے بہتر ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم متعلمین کی جماعت میں تشریف لائے اور فرمایا انما بُعثت مُعلّمًا (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) یہ بہت بڑی منقبت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ساتھ تشریف فرما ہوں۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

گدایاں را ازیں معنی صبر نیست
کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستاں میں ایک عجیب منظوم واقعہ لکھا ہے۔ فرمایا

صاحبدلے بمدرسہ آمد زخانقاہ — بشکست عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود — تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را
گفت او گلیم خویش بدر میبرد ز موج — ویں جہد میکند کہ بگیرد غریق را

اب میں اپنے موضوع کی طرف آرہا ہوں۔

معلّم کی خوبیاں | معلم اول اللہ تعالیٰ و تبارک کی ذات ہے وَعَلَّمَ آدمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا الخ۔ اللہ تعالیٰ و تبارک نے حضرت آدم ؑ کو تمام نام بتادیے۔ ایک مکمل معلم وہی ہوگا جو صحیح معنوں میں اچھے اخلاق کا مالک ہوگا۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے تخلّقوا باخلاق اللہ (اللہ تعالیٰ و تبارک کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو جاؤ) لہٰذا ایک اچھے معلّم کی پہچان یہ ہے کہ وہ اچھے اخلاق کا حامل ہو۔ استاد فیض رساں ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

الخلق عیال اللہ احبّھم الی اللہ انفعھم الی الناس۔

ایک طالب علم اس وقت تک علم کے زیور سے آراستہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کے استاد کے دل میں یہ تڑپ نہ ہو کہ میرے تلامذہ مجھ سے سیکھیں۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اَلَا لَا تَنَالُ الْعِلْمَ اِلَّا بِسِتَّۃٍ سَأُنَبِّئُكَ عن مجموعها ببیان

ذکاءٌ و حرصٍ و اصطبارٍ و بلغۃٌ و ارشاد استاذٍ و طول زمان

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ دین کی نگاہ میں حقیقی اور کامل علم وہی ہے جو اثر سے خالی نہ ہو یعنی اطاعت کا باعث اور گناہ و معصیت ممکن ہو سکتے گا جب معلّم کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ طلبہ سیکھیں۔

معلّم کا خلیق بننا ایک ضروری امر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو معلم بنا کر بھیجے گئے (انما بعثت معلماً) خلیق تھے، ملنسار تھے، اور تمام اوصاف کے مالک تھے۔ اور یہی معلّم کی بنیادی خوبی ہونی چاہیئے فرمایا گیا ہے کہ ؎

نگاہِ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

معلّم کی ایک خوبی یہ بھی ہونی چاہیئے کہ دل کا نرم ہو۔ جو بھی بات ہو اچھے اور نرم لہجے میں بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ و تبارک ارشاد فرماتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

استاد کا محنتی بننا اشد ضروری ہے۔ اس کے دل میں ہمیشہ یہ بات کھٹکتی رہتی ہے کہ یہ لڑکے کل کے معمار ہوں گے۔ تب یہ ایک مکمل معلّم تصور کیا جائے گا۔

بے عمل دل ہو تو جذبات سے کیا ہوتا ہے دھرتی بنجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے

ہے عمل لازمی تکمیلِ تمنا کے لئے ورنہ رنگین خیالات سے کیا ہوتا ہے

اگر معلّم کسی لڑکے کے متعلق یہ رائے قائم کرتا ہے کہ یہ نہیں سمجھ سکتا، اور وہ لڑکے کی طرف التفات ہی نہ کرے تو یہ ایک کامل معلّم تصور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کند ذہن اور سست لڑکے معلّم کی شفقت کی وجہ سے بڑے لوگ بن چکے ہیں۔ پھول کی مثال لیجئے۔ سفید نازک پھول ہمیشہ سیاہ درشت گارے سے اگتا ہے ایک اچھے اور محنتی معلّم کی پہچان یہ بھی ہے کہ لڑکوں سے رخصت ہونے وقت اگر وہ زبان قال سے نہیں تو زبان حال سے یہ کہتے ہوئے اپنے شاگردوں کو داغِ مفارقت دیتا ہو ؎

یوں نہ بھی ہوگا کوئی نغمہ سرا میرے بعد اور رہی ہوگی گلستاں کی فضا میرے بعد

راہ سنسان مکان خستہ مکین افسردہ کیسا ویران ہوا شہرِ وفا میرے بعد

معلمی پیغمبری نیابت ہے بعض سست، کام چور اور معلمی کے حروف ابجد سے ناآشنا لوگ بھی اس پیشہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کی نگاہوں سے اگر دیکھا جائے تو صحیح معنوں میں ایسے معمارانِ قوم تیار کرنا (جن کا ضمیر شبنم آلود پھول سے زیادہ پاک اور ایک صفاف قطرے سے زیادہ صاف ہو) اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

بعض لوگ اس پیشے کو بہت ہی آسان تصور کرتے ہیں۔ لیکن ساحل پر کھڑے ہو کر طوفان میں سے راستہ بنانے والوں کی مشکلات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پتہ تو اس وقت چلتا ہے جب گلستانِ علم کی سخت زمین کو ہموار کرنے اور اس کی آبیاری کرنے کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

استاد کی دوسری خوبی یہ ہونی چاہیئے کہ اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ ورنہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ استاد کا بسطۃً فی العلم ہونا اشد ضروری ہے اگر ایک معلم کو اپنے مضمون پر عبور نہ ہو تو گویا وہ اپنے تلامذہ کو دھوکا دے رہا ہے۔ اسی طرح استاد کا بسطۃً فی الجسم ہونا ایک اضافی خوبی گنی جاتی ہے۔ استاد کے لئے پاک ظرف ہونا چاہئے۔ کیونکہ علم ایک نور ہے اور ایک نورانی چیز کو ظلمتی ظرف میں ہرگز نہیں سمویا جا سکتا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہٖ و نور اللّٰہ لا یعطیٰ لعاصی

ایک اچھے استاد کے بغیر سارے تعلیمی منصوبے بیکار رہ جاتے ہیں۔ سب اسکیمیں اکارت ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعلیم کی کامیابی ربط کے اصول میں ہے۔ مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کامیابی کا راز اگر کسی چیز میں پنہاں ہو سکتا ہے تو وہ استاد کے جوش و خروش میں اس کے ولولے میں اُس تڑپ میں جو ایک استاد اپنے کام کے لئے اپنے دل کی گہرائیوں میں پاتا ہے۔ ان بچپن کے جذبات اور تاثرات میں جو ابھی تک متعلم کے دل میں خوابیدہ ہیں اور جنہیں ایک مخلص معلم ہی بیدار کر سکتا ہے۔ استاد ایک تخلیقی مالی ہے اس کے جاعتی باغ میں ہر قسم کے پودے ہیں۔ کچھ گہرے شوخ رنگ کے ہیں کچھ ہلکے رنگ کے۔

جیسے باغِ جہاں کے مالی نے ہر پھول کی خود آبیاری کی۔ ہر اچھا باغبان پودے کی انفرادیت کا خیال رکھتا ہے۔ اس کے لئے صحیح قسم کی غذا، دھوپ اور ہوا پہنچاتا ہے۔ تاکہ وہ زندگی کی تڑپ جو اس میں پنہاں ہے پوری آب و تاب سے پھوٹ کر نکلے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ پودا باغ کے اس گوشے میں لگے جہاں اس کا رنگ دوسروں سے ہم آہنگ ہو۔ جہاں اس کی مہک سے پورا باغ ایرانی قالین کی بہار دے سکے۔

<u>استاد کی ذمہ داریاں</u> معلم کا کام ہے اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچانا اس کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ علم کے چمن کو کیسے خوبصورت بناتا ہے۔

پہلے زمین ہموار کرنی چاہیئے زمین ہموار نہ ہو تو اچھا بیج بھی فائدہ نہیں دیتا۔ زمین ہموار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کے ذہن کو شرک اور الحاد سے پاک کرے۔ اور توحید کے بیج کے لئے تیار کرے تاکہ لڑکے صحیح معنوں میں موحّد بن سکیں۔

اگر ایک معلّم اس قسم کی باتوں کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا تو میں یہ کہوں گا کہ یہ معلّم بغیر کوئلے کے پھونکیں مار رہا ہے اور ایسے چقماق کو رگڑ رہا ہے جو آگ نہیں دے سکتا۔

ایک معلّم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکوں کے مابین ترجیحی سلوک سے کام نہ لے کیونکہ علم کی مثال تو چاندنی جیسی ہے جس کے لئے پہاڑ اور میدان سب برابر ہوتے ہیں۔

معلّم کی نیت اچھی ہو وہ یہ قصد کرے گا کہ میں علم (نورِ ایمانی) پھیلا رہا ہوں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ علوم آخرت یا دنیاوی علوم سکھانے والا معلم کہلاتا ہے لیکن آخرت کی نیت سے، استاد کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ طالب علم کے رجحان کو صحیح طریقے سے پرکھے تاکہ جس طرف اس کا میلان ہے اسی نہج پر اسے لگایا جا سکے۔ ایک لڑکا اس کا رجحان مطالعہ کتب کی طرف ہے تو نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اس کی غیر نصابی سرگرمی یعنی مطالعہ کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے۔ تاکہ وہ اس میدان میں نام پیدا کر سکے۔

اسی طرح ایک لڑکا جس کا رجحان تقریر کی طرف ہے تو تقریر کے میدان میں اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ تاکہ یہ لڑکا فن خطابت کے آسمان کا چاند اور ستارہ بن سکے۔ اور پھر اسی فن خطابت کی وجہ سے وہ ہر باطل فرقے کا بطرز احسن جواب دے سکے گا۔ وہ ایک بہترین مناظر بنے گا۔ دین پر ہر حملے کا جواب ایسے منہ توڑ طریقے سے دے گا کہ پھر کسی کو بھی غلط طریقے سے آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی۔

کسی نے اس قسم کے مناظرہ کو عجیب منظوم طریقے سے پیش کیا ہے۔

کسے بگفت کہ عیسیٰؑ ز مصطفےٰؐ اولیٰ ست　　　　کہ ایں بہ زیرِ زمیں دفن او باوج سما ست
بگفتمش کہ نہ ایں حجت توی باشد　　　　حباب بر سر آب و گوہر تہے دریا ست

اساتذہ کرام کی خدمت میں چند معروضات عرض کئے جاتے ہیں اگر ان پر عملاً التزام کیا گیا تو ان شاء اللہ قوی امید ہے کہ طلبہ کو علوم و فنون اور کتابوں سے جلد مناسبت اور استعداد پیدا ہو جائے گی۔ نیز ان کی علمی اور اخلاقی حالت بھی سدھر جائے گی کہ یہی تعلیم کا اصل مقصد ہے۔

۱۔ دینی تعلیم عبادت و طاعت ہے اور اس کا ثمرہ آخرت میں اجر عظیم ہے۔ لہٰذا تمام اساتذہ عبادت طاعت اور اجر و ثواب ہی کی نیت سے دینی تعلیم کو اپنا فریضہ سمجھیں۔

۲۔ اساتذہ تعلیم و تدریس کے علاوہ طلبہ کی دینداری اور اعمال و اخلاق کی نگرانی کو بھی اپنا فرض سمجھ کر

باقی صـ ۴۵ پر

تقسیم انعامات کی تقریب دسمبر ۸۴ء۔ سہ ماہی امتحانات کے نتائج میں اچھے نمبرات پر کامیاب ہونے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی غرض سے دارالحدیث میں تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں طلبہ کے علاوہ دارالعلوم کے تمام مشائخ اور اساتذہ شریک ہوئے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے حاضرین سے مختصر خطاب فرمایا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ

حالیہ امتحانات میں اعلیٰ نمبرات پر کامیاب ہونے والے طلبہ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ مزید محنت اور لگن سے مطالعہ و تکرار اور حصول تعلیم میں لگے رہنا چاہئے۔ اور جو طلبہ مطلوبہ معیار حاصل نہ کر سکے انہیں بھی آج سے یہ مصمم ارادہ کر لینا چاہئے کہ آئندہ محنت اور مطالعہ و تکرار میں وہ کسی سے بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی نے دفتر وفاق سے موصول ہونے والے بورڈ کے تحت سالانہ امتحانات سے متعلق اہم اعلانات سنائے اور پھر درجات کے لحاظ سے ہر کتاب میں اعلیٰ نمبرات پر کامیاب ہونے والے طلبہ کے نام لے کر نتائج سناتے رہے۔ نام لئے جانے والے طلبہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے پاس حاضر ہوتے اور حضرت مدظلہ خود اپنے دست مبارک سے انہیں انعامات عنایت فرماتے رہے۔

شیخ الحدیث مدظلہ نے دورہ حدیث کے اول دوم سوم کی پوزیشن حاصل کرنے والے چار طلبہ کو اہم دینی کتب کے علاوہ معارف السنن کے سیٹ بھی عنایت فرمائے۔ اور باقی درجات میں بھی ہر کتاب میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے والوں کو اہم دینی کتابیں عطا فرمائیں۔

چونکہ طلبہ کی کامیابی اور بہترین کارکردگی کا اصل مدار حضرات اساتذہ، ان کی نگرانی، تربیت اور محنت ہوتی ہے۔ اس لئے شیخ الحدیث مدظلہ نے آخر پر حضرات اساتذہ کرام کو بھی شروح حدیث کی اہم دینی کتب عنایت فرمائیں۔ حضرت مدظلہ کی طویل دعا پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی +
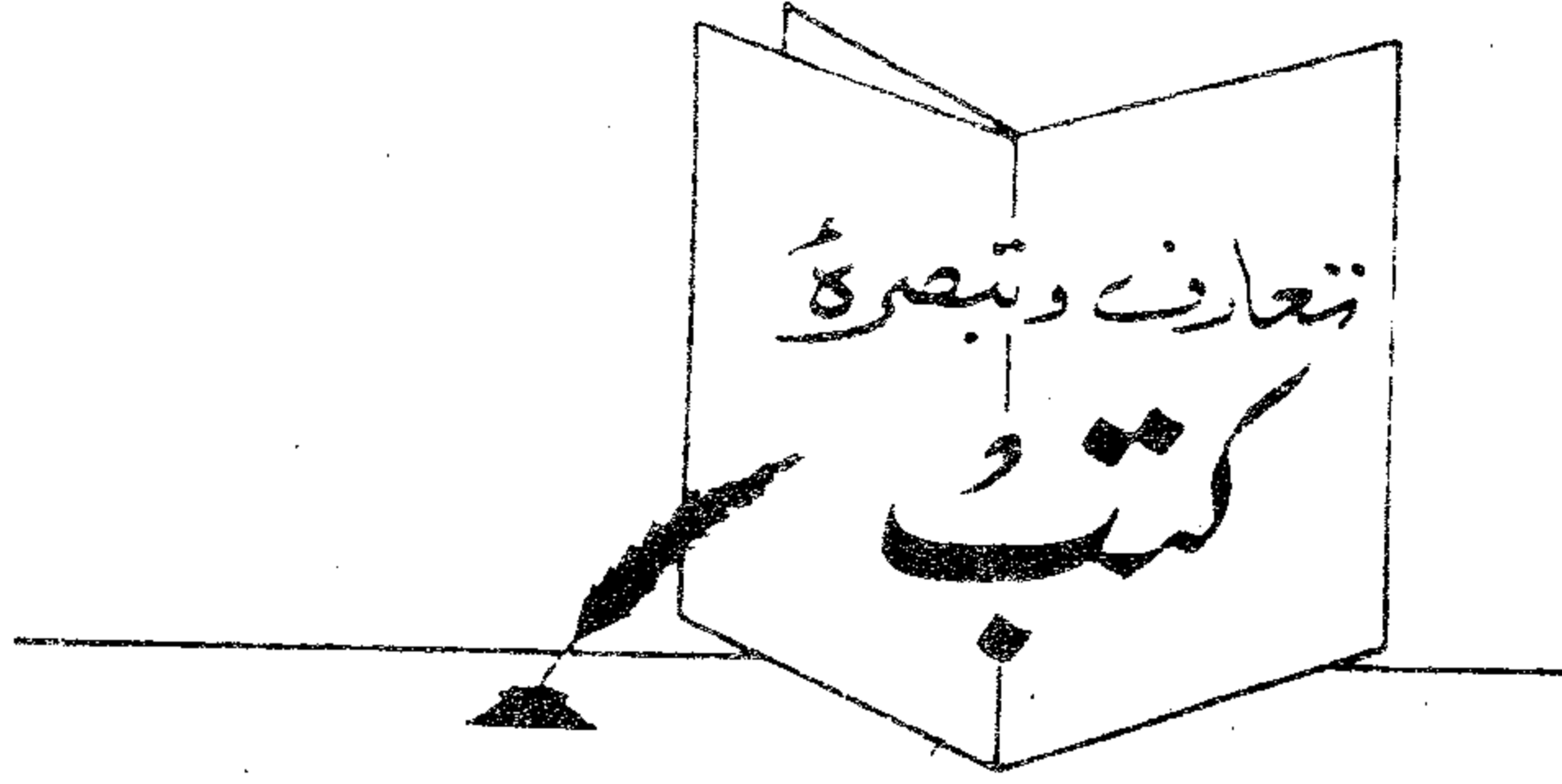
آب حیات | تالیف۔ حضرت العلامہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند۔ صفحات ۲۰۰۔ قیمت ۳۰/

پتہ: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ ریلوے روڈ ملتان۔ پاکستان۔

آب حیات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصنیفات میں سب سے زیادہ عمیق، دقیق معارف، اور لطائف کا گنج گراں مایہ، معرکۃ الآرار اور اردو میں ہونے کے باوجود اصعب ہے۔ اور بقول شیخ مدنیؒ "حضرت نانوتویؒ نے یہ کتاب علمار کے امتحان کے لئے لکھی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایما، اور تحریک پر مسئلہ حیات النبیؐ پر آب حیات" کے نام سے آپ اس کتاب کے مضامین میں نقلیات کے ساتھ ساتھ عقلیات کا بھی ایک معتد حصہ لے آتے ہیں اپنے موضوع پر لاجواب، مکمل اور نفیس بحث کی ہے۔ کما حقہٗ کتاب کو سمجھنے والا وہی خوش نصیب ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عقائد حقہ اور ان کے دلائل سے پوری باخبری دی ہو۔ مذہب شیعہ سے آگاہی، علوم و فنون بالخصوص عقلیات میں درک کامل، مستقل مزاجی، مطالعہ کی عادت، ذہن و ذکاوت للہیت و روحانیت اور کشف و کرامت سے مناسبت کی دولت سے بھی مالامال ہو۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوتے رہے مگر اب تک اس کی تبویب و تسہیل کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہو سکی۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ (الایۃ)

ادارہ تالیفات اشرفیہ نے مطبع قدیمی دہلی سے طبع شدہ کتاب کا فوٹو لے کر پاکستان میں پہلی بار شائع کر قاسمی علوم و معارف کا یہ گراں مایہ خزینہ اسلامیان پاکستان کے ہاتھوں پہنچا دیا ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

نورستان | مؤلف، جناب حکیم محمد سعید صاحب، صفحات ۵۴۴۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن ۱۵۰ روپے اور عام ایڈیشن ۵۰ روپے۔

پتہ۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پریس۔ ہمدرد سنٹر۔ ناظم آباد کراچی ۱۸۔

"نورستان" حکیم محمد سعید صاحب کی ان نشری تقاریر کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ریڈیو پاکستان کے ذریعہ "قرآن حکیم اور ہماری زندگی" کے عنوان سے کی ہیں۔ انداز بیان کی طرح تحریر بھی آسان، ناصحانہ اور مصلحانہ۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہمہ پہلو عنوانات پر مختصر مگر جامع، سلیس اور آسان زبان میں روشنی ڈالی گئی

معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری طباعت بھی عمدہ، دلکش اور دیدہ زیب ہے۔ خدا کرے کہ اس کا فائدہ عام ہو اور لوگ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ (عبدالقیوم حقانی)

افضلیت شیخین | از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ صفحات ۷۶۔ قیمت بارہ روپے۔

پتہ۔ قدیمی کتب خانہ۔ مقابل آرام باغ کراچی۔

پیش نظر کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ولولہ انگیز، وجد آفریں اور اپنے موضوع پر منفرد اور یگانہ کتاب " ازالۃ الخفاء " کا اہم حصہ ہے۔ پروفیسر علی حسن صاحب نے اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا ہے ایرانی شیعی انقلاب کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی توہین، ان کی تحقیر اور ان پر عدم اعتماد کی جو ایک طوفانی تحریک چلائی جا رہی ہے اس کے سدباب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کی عظمت اور دین و شریعت میں ان کے رتبہ و مقام سے امت کو آگاہ کیا جائے۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے۔

اسی ادارہ کی شائع کردہ دوسری کتاب "**فوائد مرضیہ شرح اردو مقدمۃ الجزریہ**" بھی برائے تبصرہ موصول ہوئی ہے۔ قاری محمد سلیمان صاحب نے اس کا اردو ترجمہ اور ضروری شرح بھی کر دی ہے صفحات ۱۱۸۔ قیمت ۱۸ روپے ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

کھلی چٹھی کا جواب | مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب۔ صفحات ۱۸۸ قیمت ۷ روپے

پتہ۔ حافظ عبدالوحید حنفی۔ دفتر تحریک خدام اہلسنت۔ مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور خلیفہ مجاز ہیں۔ تحریک اہلسنت کے بانی اور امیر ہیں۔ ان کی تازہ تصنیف " خارجی فتنہ " نامی کتاب سے شیعیت، ناصبیت اور محمود عباسی کے پیروکاروں پر کاری ضرب پڑی ہے۔ بعض ناعاقبت اندیشوں نے اس کے بعض مندرجات کے جواب کی ناکام کوشش بھی کی ہے۔ پیش نظر کتاب بھی ایسے ہی ایک مولوی صاحب کی کھلی چٹھی کا جواب ہے جو انہوں نے خارجی فتنہ پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب کے نام لکھی تھی۔

حضرت قاضی صاحب کے جواب سے معترض کو شہرت ملی۔ تاہم قدرت کو اس بہانے دفاع صحابہ اور مسلک اہلسنت کی ترجمانی اور تحفظ بھی منظور تھا جو پیش نظر کتاب سے کافی حد تک پورا ہوا۔ اس کتاب کو " خارجی فتنہ " کا ایک جزء یا تتمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ حافظ عبدالوحید حنفی کا مرتب کردہ سولہ صفحات کا اپنے موضوع کے لحاظ سے مفید کتابچہ " اسلام اور اہلسنت والجماعت " برائے تبصرہ موصول ہوا ہے۔ ایک روپے میں مندرجہ بالا پتہ سے دستیاب ہے۔

(عبدالقیوم حقانی)

موصولات | ۱۔ کاروانِ زندگی۔ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صفحات ۵۱۸۔ قیمت ۴۵ روپے
کتاب پر جامع تبصرہ الحق میں شائع ہو چکا ہے اور اب پاکستان میں منظر عام پر آچکی ہے۔ جس کو مجلس نشریات اسلام کراچی نے اعلیٰ کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع فرمایا ہے۔ درج ذیل پتہ سے دستیاب ہے۔
مجلس نشریات اسلام ۔ ۱۔ کے ۔ ۳۔ ناظم آباد ۱۔ کراچی ۱۸۔

۲۔ ہندوستان سے جناب حسن سعید صاحب لیکچرار کامرس انوار العلوم ایوننگ کالج حیدر آباد کے تصنیف کردہ رسائل موصول ہوئے جن کے نام یہ ہیں:۔

ا۔ فیشن پرستی اور اس کا علاج ۔ صفحات ۱۹۲۔ قیمت ۶ روپے

ب۔ پاؤں میز کی رسم سے جمعگیوں تک۔ صفحات ۲۶۴۔ قیمت ۸ روپے

ج۔ سینما بینی اور اس کے مہلک اثرات۔ صفحات ۱۱۲۔ قیمت ۴ روپے

د۔ ریس یعنی گھوڑ دوڑ۔ صفحات ۶۶ قیمت ۲ روپے

اندازِ تحریر سلیس، معلوماتی، دلچسپ، مصلحانہ اور تبلیغی ہے۔ قیمت واجبی ہے درج ذیل پتہ پر دستیاب ہیں۔
مدرسہ تعلیم القرآن (۱۶۰۹ - ۵۸۱) قدیم ملک پیٹ۔ حیدر آباد (انڈیا)

۳۔ حرمتِ شراب ۔ شیخ عثمان بن الصافی کے ایک عربی کتابچہ کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ۴۰ صفحات میں آگیا ہے۔ پچاس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر " پاک مسلم اکادمی ۔ الفضل مارکیٹ ۱۷، اردو بازار لاہور نمبر۲ سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ الانسداد لطرق لا الحاد ۔ دار العلوم اسلامیہ عربیہ شیر گڑھ کے فاضل مدرس مولانا عبدالحق کوہستانی کی تصنیف ہے جس میں ڈاکٹر عثمانی کے تلبیسات پر تنقید۔ مسئلہ عذابِ قبر اور اثبات حیات النبی پر علماء دیوبند کے مسلک کو اعتدال کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ۷۵ صفحات کا یہ رسالہ شعبہ تصنیف و تالیف دار العلوم اسلامیہ عربیہ شیر گڑھ ضلع مردان کے پتہ سے منگوایا جا سکتا ہے۔

اسلام کا قانون دیت | دیت کے شیڈول اور اس کے تفصیلی احکامات (۶۲ دفعات) کا ۶۵ صفحات کا رسالہ ہے۔ مقالہ فقہ حنفی کا نچوڑ ہے جسے مولانا قاضی بشیر احمد صاحب اور مولانا قاضی مقبول الرحمن صاحب نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے جو ۸ روپے میں مدنی کتب خانہ نور مارکیٹ اردو بازار گوجرانوالہ کے پتے سے دستیاب ہے۔

اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے | ۶۴ صفحات کے اس رسالے میں جناب سید عبدالرحمن صاحب بخاری نے اسلام کے حقیقی نظام عدل قائم کرنے والے اداروں کے قیام پر بحث کی ہے۔
مندرجہ ذیل پتہ سے منگوایا جا سکتا ہے۔
مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ نسبت روڈ لاہور

(عبدالقیوم حقانی)

REGD-NO.P-90

AL-HAQ

STM-1/79